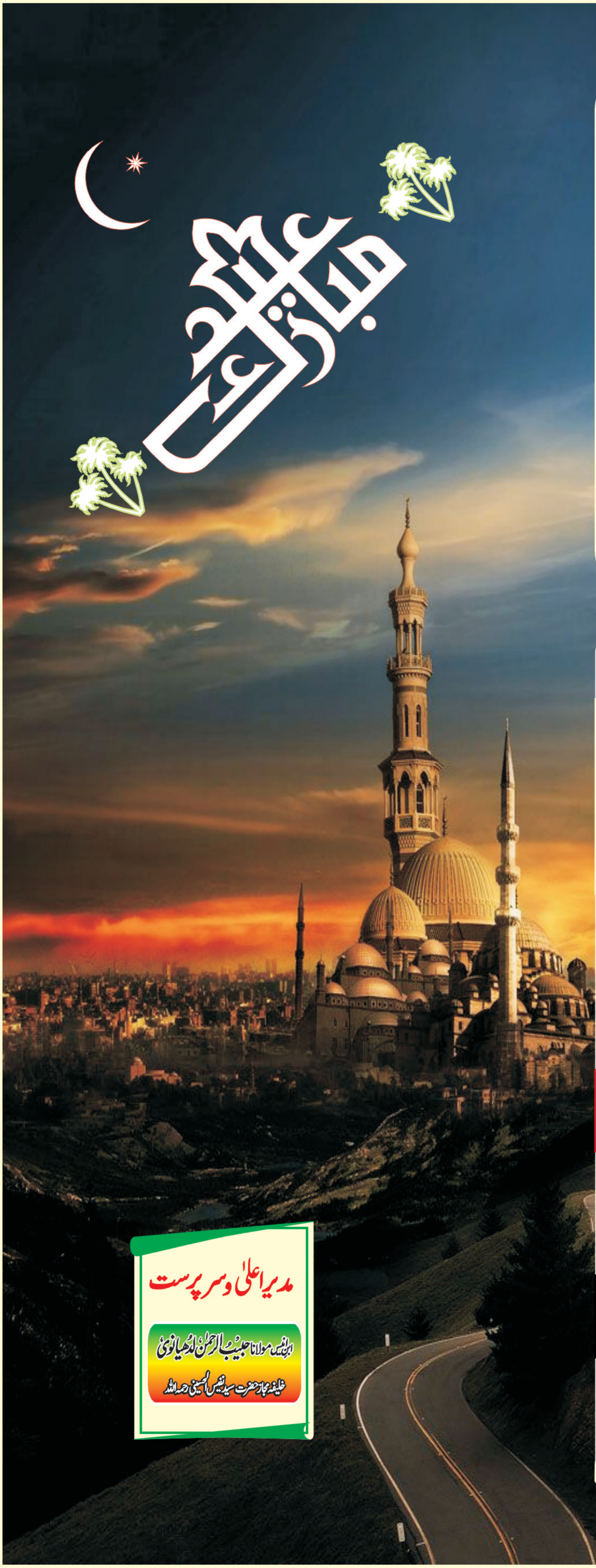
خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ مِلّیہ

فیصل آباد پاکستان

شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ بمطابق جولائی 2015ء



کلمۃ الحبیب

شعور

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

* مجالس سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

* مسلمان نصرت خداوندی سے محروم کیوں؟

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی رحمہ اللہ

* تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں — ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

فرمودات

* شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ

* خواتین کے صفحات — خادمۃ القرآن

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

www.milliafsd.com

قطب الاقطاب حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرّہٗ

هو الله الصمد

ای تیر غمت را دل عشاق نشانه
خلقی بتو مشغول و تو غایب ز میانه

گه معتکف دیرم و گه ساکن مسجد
یعنی که ترا می طلبم خانه بخانه

باستقبال قطعهٔ آقا عبدالرشید دیلمی نوشته شد

لاہور : ۲۵ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ

کتبه العبد المذنب نفیس الحسینی
غفر الله ذنوبه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ مِلّیہ

فیصل آباد پاکستان

شوال المکرم ۱۴۳۶ھ

شمارہ نمبر 10 جلد نمبر 11

بمطابق جولائی 2015ء

فہرست مضامین

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر: مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر: مولانا جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 30 روپے

پاکستان میں سالانہ 300 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرونِ ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے

ماہنامہ مِلّیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان

041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

شعور

کلمۃ الحبیب

آخری حصہ

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ بچوں کو ہی لے لیجئے، آج کل سب سے زیادہ زور وشور بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے دیا جارہا ہے۔ تین سال کے بچوں سے ہی انگلش میڈیم سکول چھری کانٹے سے لیس ہو کر میدان میں اُترے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر ملکی این جی اوز بھر پور طریقہ سے کام کر رہی ہیں۔ گزشتہ دنوں ہمارے ملک میں ایسی کئی این جی اوز کی نشاندہی کی گئی ہے جو کہ ہمارے بچوں کو اخلاقی طور پر تباہ کرنے پر دن رات کام کر رہی ہیں، مگر ہماری حکومت کی بے بسی یہ ہے کہ ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ یہ سب کچھ تعلیم کے نام پر ہو رہا ہے، اور تعلیم کے نام پر سب کچھ جائز ہے۔ اور تعلیم کے نام پر ہمارے ملک میں اربوں ڈالر اور پاؤنڈ آ رہے ہیں، اور ہم لوگ اپنے ملک کے معاشی استحکام کے نام پر سب کچھ قبول کر رہے ہیں۔

بچوں کی نفسیات اور نشوونما کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کا ذہن کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے جس پر قصوں، کہانیوں، دیومالاؤں، عظیم انسانوں کے کرداروں اور اخلاقیات سے مزین سچی نصیحت آمیز داستانوں کی ایک دنیا آباد کی جاسکتی ہے، ایک خوابوں کی دنیا وجود رکھتی ہے۔ خوابوں کی اس دنیا میں اچھے اور اعلیٰ کرداروں والے ہیروز ہوتے ہیں اور بُرے کرداروں والے ولن بھی۔ بچپن میں جیسا ماحول اور جیسی خوابوں کی دنیا بچے کے ذہن کے ذہن پر منقش کر دی جاتی ہے وہی دنیا پوری زندگی اس کیلئے ایک حوالہ بن جاتی ہے۔ جس طرح کی اخلاقیات وہ سیکھتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود کسی بھی طرح کے کردار میں ڈھل جائے اس کی اخلاقیات کا معیار وہی رہتا ہے۔ ہمارے بچوں کو O لیول اور A لیول میں ایسی کہانیاں، قصے اور داستانیں ایسی زبان میں پڑھائی جارہی ہیں جو

ان کے اردگرد کی زبان ہے نہ میڈیا کی اور نہ ہی کسی شعبۂ زندگی کی۔

جب ڈیڑھ ارب ڈالر کی سعودی عرب کی طرف سے امداد ملی تو ان لوگوں کے لئے ماتم کا دن تھا جو کہ غیر ملی امداد پر پل رہے تھے،اس لئے کہ وہ امداد پاکستان کی دینی ضرورت پوری کرسکتی تھی۔ چنانچہ فوراً برطانیہ کے سابق وزیراعظم گورڈن براؤن تعلیم کے نام پر ایک ارب ڈالر کی امداد لے کر ہمارے ملک پہنچے تو وہ لوگ خوشیوں کے شادیانے بجانے لگے، جن کا دال دلیا انکے پاؤنڈ اور ڈالروں پر چلتا ہے۔ یہ امداد کیوں دی جارہی ہے؟ ایسی کیا خیر خواہی ہے کہ دنیا کا ہر ترقی یافتہ ملک پاکستان کو تعلیمی شعبے میں مدد دینے کیلئے تیار ہے؟ یو ایس ایڈ (US-AID) سے لے کر ڈی ایف آئی ڈی (DFID) تک سب اداروں کے ماہرین ہمیں علم سکھانے آرہے ہیں۔ ان کے تعلیمی ماہرین ہمارے نصاب کی نوک پلک سنوار رہے ہیں اور O اور A لیول کے امتحانات کو منعقد کرواکے ایک ایسا راستہ کھول چکے ہیں جس میں واپسی نہیں ہے۔

ان کتابوں کا اگر سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کیسا زہر بھرا ہوا ہے۔اس کا احاطہ ملک کے مشہور تجزیہ نگار جناب اوریا مقبول جان نے کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

A Christmas Carol: پوری کتاب کرسمس کے تہوار اور عقائد کے گرد گھومتی ہے۔ وہی ماحول اور ویسی ہی رنگا رنگی دکھائی گئی ہے جیسی مغرب میں ہوتی ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے اپنے آپ کو اس مذہب اور تہذیب سے علیحدہ محسوس نہ کریں بلکہ اسے خواب کی صورت اپنے ذہن پر نقش کرلیں۔

The Golden Touch: یہ لیول II میں پڑھائی جانے والی یونانی دیومالاؤں کے خداؤں کی داستانیں ہیں۔جس بچے کو اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی سیرت پڑھنی چاہیے اسے وینس اور کیوپڈ کے معاشقے پڑھائے جاتے ہیں۔

King Soleman's Mines: یہ کہانی جنسی تعلقات اور جنسی ناہمواری کے انیسویں صدی کے تصورات پر لکھی گی ہے۔ یہ مرد اور عورت کے چھپے ہوئے جسمانی خزانوں کی تلاش کی کہانی ہے۔اس میں مرد اور عورت کی جسمانی ہیئت کو انتہائی بے ہودہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب لیول IV میں پڑھائی جاتی ہے۔

The Emperor's New Clothes and other Stories: اس کتاب میں

موجودہ کہانی "The Kiss" اگر والدین پڑھ لیں تو حیرت اور شرم سے پانی پانی ہو جائیں۔

Treasure Island: یہ لیول I میں پڑھائی جانے والی کتاب ہے۔ بحری قزاقوں کا ماحول دکھایا گیا ہے جس میں قزاق اپنے قانون رکھتے ہیں اور شراب کے نشے میں دھت رہتے ہیں۔

The Adventures of Sherlock Holmes: عشق و محبت اور رسیلے جنسی جذبات سے نچڑی جاسوسی کہانیاں۔ جو لوگ نسیم حجازی کے ناولوں میں محبت پر اعتراض کرتے ہیں اس جاسوسی کی جنسی زندگی کس مزے سے پڑھا رہے ہوتے ہیں۔

Around the world in eighty days: یہ لیول III کی کتاب ہے۔ اس کا ہیرو ایک شرط لگا کر دنیا کی سیر کو نکلتا ہے، جگہ جگہ شراب کے نشے میں دھت رہتا ہے اور ہر جگہ نئی محبت میں گرفتار۔

Just 50 stones: لیول I میں پڑھائی جانے والی گوری نسل کے تعصب کیلئے یہ مشہور مصنف رڈیار کپلنگ کی تحریر ہے۔ کتاب میں خدا کو ایک عظیم جادوگر دکھایا گیا ہے جس نے پہلے زمین بنائی پھر سمندر۔

Tales of King Arther: یہ بادشاہ کی Guinevere کی ایک اجنبی سے خفیہ عشق کی داستان ہے۔

اس کے علاوہ جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں ان میں ان تمام کہانیوں میں جو ماحول، کردار، اخلاقیات اور طرزِ زندگی ہے وہ سب کا سب مغرب کا ہے جو ان بچوں کے ذہنوں پر متحرک فلم کی طرح نقش کیا جا رہا ہے۔ اسی لیے جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو انہیں نہ سرسوں کے کھیت اچھے لگتے ہیں اور نہ ہی اوپلوں والی دیواریں، انہیں دھوتی کرتا پہننے والا شخص جاہل نظر آتا ہے اور داڑھی والا شخص دہشت گرد۔ انہیں اپنے ملک کے گلی محلوں سے بو آتی ہے۔ انہیں یہاں کا ہر شخص بددیانت، چور، بداخلاق، بیہودہ اور تہذیب سے عاری لگتا ہے۔ ان کی اخلاقیات میں کوئی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شامل نہیں جو ڈاکوؤں کے خوف میں بھی سچ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا بلکہ وہ تو سنڈریلا پڑھتے ہیں جو ماں سے جھوٹ بول کر گھر سے نکلتی ہے۔ یہ ہے اس ایک ارب ڈالر کی کہانی جو مغرب سے ہمیں امداد کی صورت مل رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے لئے یہ امداد کن لوگوں کو دی جاتی ہے؟ اس کے لئے غیر ملی سفارت خانوں کی طرف سے اخبار میں اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔جن میں پاکستان میں کام کرنے والی این جی اوز سے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں۔تا کہ ان کے ایجنڈے پر عمل کرنے کے لئے کے کام کا تعین کیا جائے۔سب سے زیادہ امداد تعلیم اور خواتین کی بہبود کے لئے کام کرنے والوں کو دی جاتی ہے۔

خواتین کو معاشی طور پر خود مختار کرنے کیلئے فنڈز مہیا کئے جاتے ہیں۔ یہ صرف ایک سفارت خانے کی بات نہیں، پاکستان میں موجود ہر مغربی ملک کے سفارت خانے نے اعلانیہ یا خاموشی سے پاکستان میں اپنے مقصد کی این جی اوز کو رقم فراہم کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔آپ درخواست جمع کرائیں۔آپ کی این جی او کے مقاصد اگر ان سفارت خانوں کے مقاصد کو پورا کرتے ہوں تو آپ پر ڈالروں، پاؤنڈوں اور یوروز کی بارش شروع ہو جائے گی۔

یہ ہے اصل سوال اور اس سوال کے جواب میں ہی وہ راز پنہاں ہے جس نے پاکستان کے معاشرے کو خوف، نفرت، تعصب اور افراتفری کا شکار کر رکھا ہے۔ سب سے زیادہ امداد Advocacy یعنی وکالت، حمایت اور (Avareness) یعنی آگاہی اور شعور کیلئے کام کرنے والی این جی اوز کو دی جاتی ہے۔ یہ شعور اور وکالت بھی جن شعبوں میں دی جاتی ہے ان میں سب سے پہلے نمبر پر حقوقِ نسواں اور پھر اقلیتوں کے حقوق والی تنظیمیں آتی ہیں۔آگاہی اور شعور کی بہترین مثال یہ ہے کہ آپ بھوکے کو بار بار اس بات کا احساس دلائیں کہ تمہیں بھوک لگتی ہے، تم کھاؤ گے نہیں تو تمہاری صحت خراب ہو جائیگی اور تم مر جاؤ گے، لیکن اسے کبھی روٹی فراہم نہ کرو۔ کیونکہ روٹی فراہم کرنا ان تمام این جی اوز کے نزدیک محتاجی کو عام کرنا ہے، جسے وہ اپنی زبان میں (Dependence) کہتی ہیں۔ اس لیے وہ کہتی ہیں کہ اگر لوگوں کو اپنے حقوق اور محرومی کا شعور دے دیا جائے تو وہ خود آگے بڑھ کر لے لیتے ہیں۔

گزشتہ تیس سالوں سے اس وافر سرمائے کی فراہمی نے ان تمام این جی اوز کے کرتا دھرتا افراد کو ملا کر ایک سول سوسائٹی تخلیق کر دی ہے جو ایسے وقت میں سڑکوں پر نکلتی ہے جب ان تمام ڈونرز کا ایجنڈا انہیں نکلنے پر مجبور کرتا ہے یہ ان تمام افراد اور اداروں کے خلاف آواز بلند کرتی ہے جو اس

ایجنڈے کی راہ میں روکاوٹ ہیں۔ یہ پاکستان کے ہر اہم ادارے سے اتنی دیر تک محبت کرتی ہے جب تک وہ ان کے ایجنڈے کے مطابق کام کرتا ہے لیکن جیسے ہی ان داروں کا کوئی بھی عمل ان کے ایجنڈے سے مختلف ہو جائے تو یہ این جی اوز پاکستان کی سلامتی تک داؤ پر لگاتے ہوئے پاکستان کے ہر ادارے کی تضحیک کرتی ہے اور انہیں پاکستان کی تباہی اور بربادی کا ذمہ دار قرار دیتی ہے۔

یہ سول سوسائٹی ''شعور'' اور وکالت کے نام پر لوگوں میں خوف، نفرت، تعصب اور ہیجان کیسے پیدا کرتی ہے اس کا اندازہ اس کے کام کرنے کے طریقِ کار سے ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں روزانہ ہزاروں ایف آئی آر درج ہوتی ہیں جن میں ہزاروں بے گناہ مجرم جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ ان میں کئی بے گناہ افراد جھوٹے گواہوں اور انصاف کی عدم فراہمی کی وجہ سے پھانسی کے گھاٹ تک بھی جا پہنچتے ہیں، لیکن یہ سول سوسائٹی صرف توہین رسالت کے ایسے مجرم کیلئے سڑکوں اور چوراہوں پر آئے گی جو کسی اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ توہین رسالت کے زیادہ تر مقدمے مسلمانوں کے خلاف درج ہوتے ہیں لیکن عیسائیوں یا ہندوؤں کے مسئلے کو خصوصاً اچھالنا دراصل اس پوری کمیونٹی کے اندر خوف، نفرت، تعصب اور ہیجان پیدا کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ ان کا بچہ اس بات پر یقین کر لے کہ یہ زیادتی صرف ان کے ساتھ ہو رہی ہے۔ 1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے تمام رفاہی تعلیمی ادارے قومی ملکیت میں لے لیے تھے۔ اس سے پہلے مسلمان رفاہی ادارے بھی ملک بھر میں تعلیمی ادارے چلاتے تھے اور عیسائی مشنری بھی، لیکن پاکستان کی تاریخ میں یہ واحد استثناء ہے کہ کسی مسلمان رفاہی ادارے کو اس کے تعلیمی ادارے واپس نہیں کیے گئے لیکن تمام عیسائی مشنری تنظیموں کو ان کے تعلیمی ادارے واپس کر دیئے گئے اور آج یہ ادارے اس ملک میں اپنی مرضی کی تعلیمی پالیسی اور مخصوص نصابِ تعلیم کے تحت چل رہے ہیں۔ اس سول سوسائٹی نے کبھی عیسائی اقلیت کے ساتھ اس بہترین سلوک کا ذکر تک نہیں کیا، اس لیے کہ کہیں اس اقلیت میں یہ احساس پیدا نہ ہو جائے کہ تمہیں مسلمانوں سے بھی بہتر سلوک سے نوازا گیا۔ اس لیے بھی کہ ایسا کرنے سے ''شعور اور وکالت'' کے اس ایجنڈے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ توہین قرآن پر گوجرانوالہ میں ایک شخص کو ڈنڈے مار کر مار دیا گیا لیکن کوئی سول سوسائٹی حرکت میں نہ آئی، کیونکہ اس کے منہ پر داڑھی تھی اور وہ مسلمان تھا۔ اس شخص کے کیس کو اچھالنے سے ان کا ''شعور اور وکالت'' کا ایجنڈا پورا نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان کی عدالتوں میں روز خواتین

بھاگ کر شادی کرتی ہیں اور ماں باپ کی غیرت کا جنازہ نکالتی ہیں،اس پر یہ سول سوسائٹی انہیں ’’شعوری‘‘ اقدام قرار دے کر ان کی سرپرستی کرتی ہیں۔ان کا عدالتوں میں مقدمہ لڑتی ہیں۔مگر جب انہی عورتوں کو ان کے محبوب خاوند بیچ ڈالتے ہیں تو پھر کوئی سول سوسائیٹی ان عورتوں کی امداد کے لئے بھاگ دوڑ نہیں کرتی نظر نہیں آتی،اس لئے کہ ان کا کام ’’شعور‘‘ کے نام پر گھروں سے معصوم بچیوں کو بھگانا ہے،اور غیر ملکی سفارت خانوں سے اس کی فیس ڈالروں یا پاؤنڈوں میں کھری کرنا ہے۔آگے اُس مفرور عورت کے ساتھ عدالتی نکاح کے بعد کیا ہوتا ہے؟اس کے ساتھ اس کا خاوند کیسا سلوک کرتا ہے،اور اس کو کہاں اور کتنے میں بیچ ڈالتا ہے؟یا اس کو قتل کر دیتا ہے،اس سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔اس لئے کہ اس سے عورتوں کے حقوق کی وکالت کا ایجنڈا پورا نہیں ہوتا۔ایجنڈا تو اس وقت پورا ہوتا ہے جب لڑکی والدین سے نفرت کر کے بھاگے۔

پاکستان سارے کا سارا غربت وافلاس کی تصویر ہے، کچی آبادیوں کی ایک قطار ہے جس میں ہر رنگ، نسل، زبان اور مذہب کے لوگ آباد ہیں لیکن سول سوسائٹی کو ’’شعوری‘‘ طور پر یہ سب کچھ بلا رنگ و نسل و مذہب نظر نہیں آتا۔کسی مخصوص مذہب کے حوالے سے ہیجان پھیلانا ان کا خاصہ ہے۔گوجرہ میں عیسائیوں کے گھر جلائے جائیں تو سول سوسائٹی کا احتجاج سالوں پر محیط ہوتا ہے،لیکن بلدیہ ٹاؤن کی فیکٹری میں 250 انسان جل جائیں تو ایک پلے کارڈ بھی مجرموں کے خلاف نظر نہیں آتا۔اس لیے کہ اس سے ایجنڈے کی تکمیل نہیں ہوتی۔گزشتہ تیس سالوں سے اس سول سوسائٹی نے اقلیت کے ذہنوں میں ہتھوڑے مارنے کی طرح بار بار یہ بات ذہن نشین کروائی ہے کہ ظلم صرف تم پر ہوتا ہے۔اٹھارہ کروڑ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔تمہیں اپنے حقوق کیلئے آواز بلند کرنا ہوگی اور دیکھو پوری دنیا کی عالمی طاقتیں تمہارے ساتھ ہیں۔

میں نے عرض کی کہ یہ ہے وہ تعلیم اور اس کا ’’شعور‘‘ جس کے لئے ہم لوگ مرے جا رہے ہیں۔اس تعلیم کا سب سے بڑا مقصد مذہب، حیا، وفا، سب کو کچلنا ہے،انسان کے دل و دماغ سے ان چیزوں کو کُھرچ کر نکالنا ہے،تاکہ انسان انسان نہ رہے۔دنیا میں ملکوں کو بگاڑ سے بچانے اور ان کو سنوارنے کے لئے سخت سے سخت قانون بنائے جا رہے ہیں۔جوں جوں سائنسی ایجادات اور یہ تعلیم آگے بڑھتی جارہی ہے اُسی کے ساتھ ساتھ جرائم میں بھی تکنیکی طور پر اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، چنانچہ اس کے لئے سخت سے سخت قانون سازی کی جارہی ہے۔ان جرائم کے بڑھنے کی وجہ اخلاقی انحطاط

ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ اس تعلیم کی بدولت اخلاقیات کو زیر بحث لا کر ان کی اصلاح کی جاتی ،مگر اخلاقیات کا یہ عالم ہے کہ اس جدید تعلیم کی بدولت اخلاقیات کا جنازہ نکالا جارہا ہے۔ مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے شادی کرنے کے قانون بنائے جارہے ہیں۔ اور جو اس کی مخالفت کرے اس کو''شعور'' اور انسانی حقوق کا قانونی طور پر دشمن قرار دیا جارہا ہے، اس کے لئے سزائیں تجویز کی جارہی ہیں۔ کہ جب انبیاء علیھم السلام انسان کو انسانیت کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ میرے نزدیک یہ جدید تعلیم و تہذیب نہیں بلکہ یہ سب کچھ انبیاء علیھم السلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا، جن کو روکنے کے لئے انبیاء علیھم السلام تشریف لائے ،اور جب ان کی قوموں نے انبیاء علیھم السلام کی بات نہیں مانی تو ان پر اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہوئے۔ دینی مدارس میں جو تعلیم دی جارہی ہے وہ وہی تعلیم ہے جو انبیاء علیھم السلام لے کر آئے تھے۔ مگر غیر نے اس تعلیم کو دہشت گردی کی تعلیم قرار دیدیا، جہالت کہا، اس تعلیم پر فرقہ وارانہ فساد کا لیبل لگا کر پابندی لگایا جارہا ہے۔ غیر تو اس لئے اس تعلیم پر پابندی لگانا چاہتا ہے کہ اس تعلیم میں انسان اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنی جان بھی اللہ کی امانت قرار دیتا ہے۔ اور اسی سے کفر ڈرتا ہے۔ یاد رکھیں کفر مسلمان کے دولت مند ہونے سے نہیں ڈرتا بلکہ مسلمان کی غربت سے ڈرتا ہے۔ اس لئے کہ دولت کو اللہ کے رسول نے اپنی امت کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا ہے، اور کفر اسی فتنہ کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی تعلیمات کا''شعور'' دے کر فائدہ اٹھا رہا ہے۔ نیز کفر مسلمان کے زندگی سے نہیں بلکہ مسلمان کے مرنے سے ڈرتا ہے، اس لئے کہ مسلمان مرتا ہوا بھی جاتے جاتے کئی دلوں میں اللہ کے لئے مرنے کی شمع جلا دیتا ہے۔ آج کل ہمارے تمام مسلمان ملکوں میں مال و دولت کے حصول کے لئے دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اور کافر کھڑا مسکرا رہا ہے۔ دولت کی ہوس کی اس دوڑ میں کافر ریفری بن کر سیٹیاں بجا رہا ہے، اور دیکھ رہا ہے کہ کونسا اسلامی ملک دوسروں سے آگے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرتا ہے۔ کونسا مسلم ملک بڑی بڑی اونچی عمارتیں تعمیر کر رہا ہے۔ کونسا ملک ان سے قرضے لے کر ترقی کے نام پر بڑی بڑی شاہراہیں تعمیر کر رہا ہے۔ کافر دونوں طرح سے مسلمانوں کو ذلیل کر رہا ہے۔ ایک تو بڑے بڑے خوشنما ترقیاتی منصوبے دے کر مسلمانوں کو قرضے کے جال میں پھنسا رہا ہے۔ تو دوسری طرف تعلیم کے نام پر امداد دے کر''شعور'' کے نام پر مسلمانوں کے مذہب ،اخلاق، روایات کا جنازہ نکال رہا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ کے رسول نے قیامت کی نشانیاں بڑے بڑے محلات، دولت کی ریل پیل، اخلاقی تباہی کو قرار دیا ہے۔ ان سب کا تعلق غیر مسلموں سے نہیں ہے کیونکہ یہ سب کچھ تو

پہلے سے ہی ان میں موجود تھیں اور اب بھی ہیں۔ان کے متعلق تو اللہ کے نبی نے یہاں تک فرمایا کہ اگر مجھے مسلمانوں کی کمزور ایمانی کا ڈر نہ ہوتا تو تم دیکھتے کہ کافروں کے محلات اور ان کے کھڑکیاں دروازے اور سونے اور چاندی کے ہوتے۔مگراب دیکھنے میں آرہا ہے کہ یہ تمام چیزیں کافروں میں تو نہیں ہیں اگر ہیں تو بہت کم ،مگر سونا اور چاندی کا استعمال سب سے زیادہ مسلمانوں میں ہی پایا جاتا ہے۔یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں کے بیت الخلاؤں میں بھی سونے اور چاندی کا استعمال ہو رہا ہے۔اللہ کے نبی نے قیامت کے ساتھ جن عیاشیوں کو جوڑا ہے ان کا تعلق مسلمانوں سے ہی ہے،مسلمان ملکوں سے ہے۔غیر مسلم تو اپنے ملکوں میں قرآن وحدیث اور فقہ پڑھانے کے لئے اتنی پابندیاں نہیں لگاتا جتنی کہ مسلمان ممالک میں اللہ کا دین پڑھانے کے لئے لگائی جارہی ہیں۔اس کا بہانہ فرقہ وارانہ تعلیم کو قرار دیا جارہا ہے۔برطانیہ اور امریکہ میں جتنی متشدد فرقہ وارانہ مسلمان تنظیمیں ہیں اتنی شاید پاکستان یا دوسرے کسی مسلمان ملک میں نہیں۔اس کے باوجود ان ملکوں میں اپنے اپنے مسلک کے مطابق قرآن وحدیث اور فقہ پڑھانے کے لئے کوئی پابندی نہیں۔اور فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوتے۔وہ اس لئے کہ ان ملکوں میں قانون کی بالا دستی ہے،کسی کو جرأت نہیں کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کرے۔ہمارے ہاں تو غیر ملکی امداد پر بعض تنظیمیں کام کررہی ہیں،اور ان میں ہمارے ملک کے مقتدر حلقوں کے بعض افراد مذہبی تعصب کی بنا پر ان تنظیموں کی سرپرستی کرتے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی حکومت بھی عوام کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش نہیں کرتی ،اور نہ ہی اس میں سنجیدہ ہے،چنانچہ عوام کا ان مسائل سے رُخ موڑنے کے لئے فرقہ واران فسادت کرائے جاتے ہیں۔اس سے ان کو دو فائدے حاصل ہوتے ہین،ایک تو عوام میں ان فرقہ وارانہ فساد سے خوف دہشت طاری ہوجاتی ہے،جس کی وجہ سے عوام کی اپنے اصل مسائل سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ غیر ملکی امداد حلال کرنے کا موقع ملا جاتا ہے۔کیونکہ غیر کی طرف سے ہمارے لئے ہر امداد بشرطِ غلامی ہوتی ہے،غیر یہی چاہتا ہے کہ ہماری امداد سے مسلمان قوم میں یہ ’’شعور‘‘ پیدا ہوجائے کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم مسلمانوں کو ’’شعور‘‘ سے عاری بناتی ہے۔

میں نے دیکھا کہ میری یہ لمبی باتیں سُن کر وہ صاحب آبدیدہ ہوگئے،میں نے بات کو سمیٹ لیا،جب اٹھ کر جانے لگے تو ان صاحب نے گلے ملتے ہوئے کہا ’’میں آپ لوگوں کو ’’شعور‘‘ کا درس دینے چلا تھا مگر جن باتوں کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے اس زاویہ سے ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں، بلکہ آپ کی باتوں سے کم از کم مجھے تو ’’شعور‘‘ ضرور آ گیا ہے۔

مجالس
سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ قدس سرہٗ

بروز اتوار ۲۰؍رمضان المبارک ۶۵ھ ۱۸؍اگست گلزار رحیمی،

رات کی مجلس میں حضرت والاؒ نے فرمایا کہ (طالب علمی کے زمانہ میں) مَیں جب دہلی گیا تو مولوی عبدالرحمٰن گورکھ پوری جو سہارنپور سے میرے ساتھ رام پور گئے تھے اور پھر وہاں سے دہلی چلے آئے تھے اور آ کر غیر مقلد ہو گئے تھے۔ مجھے مل گئے تو میں بھی ان کے پاس ٹھہر گیا۔ میاں صاحب (یعنی میاں نذیر حسین صاحبؒ مشہور اہل حدیث) اس وقت بوڑھے تھے۔ سنتے بھی اونچا تھے البتہ نظر اچھی تھی۔ ان کی مسجد میں لوگ جا بجا تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھے۔ جس کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ یہ خوب لوگ ہیں۔ اتنے میں میاں صاحب تشریف لائے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور قرآن پاک کا درس شروع ہو گیا۔ دہلی کے ایک سوداگر جس کی آواز بلند اور بھاری بھر کم تھی ترجمہ کرتے تھے اور میاں صاحب تفسیر بیان فرماتے تھے۔ جب کوئی آیت کفار کی خرابی عقائد یا یہود کے بارے عقائد واعمال کی خرابی کے بیان کی آتی تو پڑھنے والے کہنے لگتے کہ حنفی بھی ایسا کرتے ہیں حنفی بھی ایسا مانتے ہیں۔ اس پر میاں صاحب کسی وقت تو فرما دیتے چلو آگے اور کسی وقت فرماتے بکتے ہیں۔ اس سے میرے دل میں ان کے متعلق اچھی رائے قائم نہ ہو سکی اور میں یہ سمجھا کہ یہ تو سب جہلاء کا مجمع ہے۔ درس حدیث میں بھی ایسا ہی مشغلہ ان لوگوں کا تھا۔ جس کی وجہ سے میرے جو خیالات ان کو دیکھ کر پہلے والے قائم ہوئے تھے اب اس کے خلاف خیالات ہوتے چلے گئے۔ میاں صاحب کے چہرے پر نورانیت بھی نہ تھی اس کی تو میں نے تاویل کر لی تھی کہ بڑھاپے کی وجہ سے یہ کیفیت ہے، مگر کہاں تاویل کرتا۔ ایک حدیث میں ایک لفظ آیا جس کا ترجمہ نہ تو پڑھنے والوں کو آیا اور نہ میاں صاحب کو۔ میاں صاحب کے متعلق تو میں سمجھا کہ شاید بڑھاپے کی وجہ یادداشت میں فرق آ گیا ہو۔ مگر یہ لوگ جو اور اور جگہوں سے حدیث پڑھ کر محض تبرکاً اسناد لینے آئے تھے وہ بھی میاں صاحب کے کہنے پر کبھی بین السطور دیکھ رہے تھے۔ کبھی حاشیہ چونکہ وہاں اس لفظ کے جیسا کہ دستور ہے کوئی آسان عربی کا لکھنے کا رواج نہ تھا۔ لہٰذا میاں

صاحب نے فرمایا چلو آگے چلو۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب موصوف سے شروع شروع میں میری حنفیت کے متعلق بہت بحث رہتی تھی۔ چنانچہ رات کو دیر تک ہمیشہ ان دنوں بحث رہتی۔ مگر آخر دونوں تھک کر لڑ بھڑ کر بس کرتے وہ مجھے کہتے تھے کہ اگر میرے پاس تلوار ہوتو تیری گردن اور میں ان کو کہتا کہ میرے پاس تلوار ہوتو تمہاری گردن اڑادوں اور پھر ایک ہی بستر پر لیٹ جاتے اور صبح کو اٹھتے تو رات کی تلخی کا تمام اثر زائل ہوتا۔ آخر ایک دن میں نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب اس چخ چخ بک بک سے کچھ فائدہ نہیں۔ آپ نے حدیث کے ابھی صرف اک دو ورق پڑھے ہیں اور میں نے تو ابھی وہ بھی نہیں پڑھا اور حدیث عام طور پر سنی سنائی اور رسالوں وغیرہ میں پڑھی پڑھائی۔ عام باتوں کی بنا پر ہم جھگڑتے ہیں اور یہی حال خیر سے وہاں کے طلبا اور حدیث کی سند لینے والے علماء کا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب بھوپال کے مشہور عرب عالم کے پاس حدیث پڑھ کر آیا ہوا اپنے آپ کو بتاتے تھے۔ مگر میری جب ان سے بحث ہوئی تو میں بعض اوقات کہتا کہ حاشیہ دیکھو تو حاشیے تو عموماً حنفیوں کیلئے لکھے ہوتے ہیں، وہ چونکہ صرف ونحو کے بغیر بے قاعدہ پڑھے ہوئے لوگ تھے، حاشیہ نہ پڑھ سکتے تھے، یہ حالت تھی محدثین کی، تو ان مولوی عبدالرحمٰن کو ہی بلا کر لاتے کیونکہ ان میں عربی وہی ایک پڑھے ہوئے تھے۔ تو میں نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے کہا کہ تحقیق حق کرنے کیلئے دو اچھے اہل حدیث اور حنفی عالموں کی گفتگو کرانے کا انتظام کریں۔ چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے مولوی عبدالوہاب کے متعلق کہا کہ وہ شریعت کی ننگی تلوار ہیں جہاں اور جس کے پاس چاہو میرا ذمہ رہا وہاں چل کر جس جس مسئلہ میں چاہو بحث کرلیں گے۔ میں نے کہا کہ مسائل زیر بحث ہیں ان پر بحث ہونی چاہیے۔ اور یہ تقلید عدم تقلید کی بحث فضول ہے کیونکہ اس میں تو میرا دل قبول نہیں کرتا کہ ہر مقلد مشرک ہے جیسا کہ آپ نے لوگوں کو ٹھہرا رکھا ہے، ہاں یہ دیکھنا ہے حنفیوں کے اور اہل حدیثوں کے درمیان جو مسائل فقہ کے متنازع فیہ ہیں اُن سے حدیث کے زیادہ مطابق کون ہیں۔ ان دنوں مولوی عبدالوہاب صاحب نے انڈے کی قربانی کے جواز کا مسئلہ بیان کیا ہی تھا، تو ہم نے ایسے مسائل کی ایک فہرست بنائی جن میں تحقیق مقصود تھی۔ ان میں اور بھی مسائل تھے جن میں سب سے زیادہ اہمیت ہم فاتحہ خلف الامام کو دے رہے تھے۔ چنانچہ شام کے وقت مَیں اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب سنہری مسجد دہلی میں گئے کہ مدرسہ امینیہ ان دنوں وہیں تھا اور حنفی علماء میں سے دہلی میں، مَیں صرف حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کو سمجھتا تھا کہ محدث ہیں، باقی فتح پوری والے اور دوسرے حنفی علماء کو میں وقعت نہ دیتا تھا کہ وہ

تو سب منطقی اور منطق ہی پڑھاتے ہیں اس لیے ان کی حدیث کی مہارت کا میں کچھ قائل تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ ان دنوں مدرسہ امینیہ میں آئے ہی تھے۔ اتفاق سے جب ہم مسجد میں پہنچے تو حضرت شاہ صاحبؒ تو اس وقت مسجد میں نہ تھے مولانا مولوی امین الدین صاحب کی خدمت جانا ہوا اور میرے ساتھی مولوی عبدالرحمٰن نے مولانا سے جاتے ہی مسائل میں گفتگو شروع کردی مگر میں نے مولوی عبدالرحمٰن سے کہا کہ مولوی صاحب دیکھو میری یہ شرط نہیں، میں تو حضرت شاہ صاحب کا قائل ہوں۔ حالانکہ مولانا امین الدین صاحب بھی بڑے عالم تھے مگر میرے جی میں شاہ صاحبؒ کی جو وقعت تھی وہاں کے کسی اور عالم کی نہ تھی یہ بات سن کر مولانا امین الدین صاحب کو میری طرف زیادہ توجہ ہوئی اور میں نے سارا باہمی قصہ سنا دیا، اس پر مولانا نے فرمایا کہ شاہ صاحب کے متعلق میرا ذمہ رہا تم مولوی عبدالوہاب سے لکھوا لاؤ جہاں وہ چاہیں یہاں یا وہاں یا جہاں وہ پسند کریں اچھا ہے باہمی گفتگو ہوجائیگی تاکہ عوام میں آج کل جو عقائد کی کشمکش اور چرچا رات دن ہورہا ہے وہ ٹھنڈا پڑ جائے، ہم وہاں سے آئے اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے مولوی عبدالوہاب سے یہ بات جاکر سنائی تو میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالوہاب صاحب کا چہرہ فق ہوگیا اور انہوں نے کہا کہ یہ حنفی بڑے مکار ہوتے ہیں اور لڑائی بھی ہوجاتی ہے مقدمات چل جاتے ہیں۔ میں نے ایک ایسی چبھتی ہوئی بات کہی کہ اچھی ننگی تلوار ہے اور بھی ایسی باتیں کہیں یہاں تک کہ مولوی عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ مدرسہ کے مہتمم صاحب اجازت نہیں دیتے۔ ہم مہتمم صاحب کی خدمت میں گئے۔ انہوں نے بھی ٹالنا چاہا مگر ہم نے مولوی عبدالوہاب کا قول نقل کیا اور چبھتی سی باتیں کیں تو انہوں نے کہا کہ اچھا میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر مولوی عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ حنفیوں سے لکھوا کر لاؤ۔ ہم پھر آئے اور مولانا امین الدین صاحب نے لکھ دیا اور شرطوں میں یہ بھی لکھا کہ بزرگوں کو گالیاں نہ دی جائیں۔ تحریر لے کر گئے تو مولوی عبدالوہاب صاحب نے وہی عذر کیے اور کہا کہ مجمع زیادہ نہ ہو اور اہل حدیث کی ایک مسجد تجویز کی کہ سنہری مسجد کوتوالی کے قریب ہے اور حنفی کہیں گرفتار نہ کرادیں اور دس بارہ آدمی طرفین کے ہوں۔ مولانا امین الدین صاحب نے یہ بھی مان لیا مگر آخر میں مولوی عبدالوہاب صاحب نے بالکل انکار کردیا اور مولوی امین الدین صاحب کے پاس اس سلسلہ میں آخر جانا ہوا تو مولانا امین الدین صاحبؒ فرمایا کہ تم یہیں آجاؤ۔ چنانچہ میں وہاں چلا گیا۔ تھوڑا سا میں نے حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ سے بھی پڑھا ہے۔ (مجالس حضرت رائپوریؒ ،از مولانا حبیب الرحمٰنؒ نومسلم)

مسلمان نصرت خداوندی سے محروم کیوں؟

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی رحمہ اللہ

تاریخ عالم کا یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے کہ ایک قوم جو مالی اعتبار سے بے مایہ تمدنی لحاظ سے ذلیل اور تعداد کی حیثیت سے قلیل تھی آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل تقریباً تیس سال کے قلیل عرصہ میں اس نے اپنے زمانہ کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکرا کر نہر سندھ کے کنارے بلوچستان تک، بحر کاسپین کے کنارے باب الابواب اور بلنجر تک اور بحر ابیض کے کنارے طرابلس و مراکش تک اپنی عظمت و سیادت کے جھنڈے نصب کر دیئے۔

پھر اس سے بھی زیادہ تعجب خیز حقیقت یہ ہے کہ اسی قوم نے جب اس کے پاس دولت کی کثرت ہوتی تمدنی و معاشرتی اعتبار سے ممتاز ہوئی۔ تعداد کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی قوم قرار پائی تو اس نے اسپین میں، عرب میں، بلقان میں اور ہندوستان میں اپنے حریفوں سے شکست کھائی۔

یہاں تک کہ اس ذلیل و حقیر قوم (یہود) سے بھی شکست کھائی جس کے متعلق اس کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محکومی و مقہوری اس کیلئے مقدر ہو چکی ہے اور اس خطہ ملک میں شکست کھائی جس کے چاروں طرف لاکھوں کی تعداد میں وہ آباد ہیں۔

کیا آج مسلمان مسلمان نہیں رہے؟

کیا اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے تمام وعدے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھے؟

کیا ''و کان حقاً علینا نصر المؤمنین''

کا وعدہ قرآنی اب خارج المیعاد ہو گیا؟

یہ وہ سوال ہے جو اکثر مسلمانوں کے دماغوں سے ٹکراتا ہے اور ان کے دل میں اپنے مذہب کی حقانیت و صداقت کی طرف سے شبہات بھی پیدا کرتا ہے۔

قانون نصرت خداوندی

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے امور کی طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد کا بھی ایک قانون ہے جس طرح بغیر بیج ڈالے کھیت جوتے اور آب پاشی کے کوئی کاشتکار اناج نہیں کاٹ سکتا جس طرح بغیر کتاب دیکھے محنت کیے اور امتحان میں بیٹھے کوئی طالب علم ڈگری حاصل نہیں کرسکتا، جس طرح بغیر قدم اٹھائے سواری میں بیٹھے راستہ قطع کیے کوئی مسافر منزل پر نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ''قانون نصرت'' پر عمل کیے بغیر کامیابی وفتح مندی کا سزاوار نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم نے اس قانون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون. واطیعوا اللہ ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبرو ان اللہ مع الصابرین (۲/۱۰)

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! جب تم کسی لشکر کے مقابلہ پر آؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا خیزی ہو اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ان دو آیتوں میں چند اصول کامیابی وکامرانی کے بتائے گئے ہیں۔

(۱) مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کرو۔

(۳) خدا اور رسول کی کامل اطاعت کرو۔

(۴) نزاع (جھگڑا) باہمی سے بچو۔

(۵) ہر قسم کی مصیبتیں خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلتے رہو۔

''ثابت قدمی'' کا مطلب یہ ہے کہ غور وفکر اور مشورہ کے بعد جو فیصلہ کرلیا جائے اس کا اٹل سمجھا جائے جو قدم اٹھادیا گیا ہے اسے پیچھے نہ ہٹایا جائے۔

''صبر'' سے مراد یہ ہے کہ اس راہ میں ہر قسم کی مشکلات کو ہنستے کھیلتے برداشت کیا جائے۔ جان، اولاد، مال، عزت آبرو جس چیز کی قربانی کی بھی ضرورت پیش آئے اسے بے تامل قربان کردیا جائے اور

پیشانی پر شکن تک نہ پڑے۔

''ذکر اللہ'' سے مقصد یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی عظمت کے تصور سے لبریز ہو۔ کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی پرکاہ کے برابر نہ سمجھا جائے۔ یہ یقین کامل ہو کہ جس خداوند جل وعلیٰ کے حکم کی تعمیل میں یہ قدم اٹھایا گیا ہے اس کے سامنے دنیا کی تمام طاقتیں ناچیز محض ہیں اور جب اس کیلئے یہ قدم اُٹھایا گیا ہے تو وہ اپنی ناقابل تسخیر طاقتوں سے ضرور مدد کرے گا۔ پھر زبان پر بھی اس کی عظمت وجلا کے ترانے جاری ہوں اور اس سے تائید ونصرت کا سہارا طلب کیا جارہا ہو۔

اللہ اور رسول کی اطاعت سے مقصود یہ ہے کہ مقابلہ کا مقصد دنیوی سر بلندی نہ ہو بلکہ خداوند قدوس کے قانون عدل وانصاف کو جاری کرنا ہو۔ مخلوق خدا کو ظلم وجبر، ناانصافی اور حق تلفی کے شکنجوں سے آزاد کرنا ہو۔ عدل وانصاف، مساوات اور رحمت وراحت کی فضا میں آباد کرنا ہو۔ اس راستہ میں جو قدم بھی اُٹھے اس میں اللہ اور اس کے رسول کی مقرر کردہ حدود سے متجاوز نہ ہو۔

سخت سے سخت دشمن کے مقابلہ میں بھی ذاتی خصومت وعداوت کو دخل نہ ہو۔ دشمنوں کے ساتھ عین حالت جنگ میں بھی ظلم وسفا کی، غداری اور بدعہدی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔

یہ راستہ جس رہنما کی زیر ہدایت طے کیا جائے خواہ وہ خود پیغمبر ہو یا پیغمبر کا قائم مقام سردار یا امام اس کی کامل اطاعت کی جائے۔ اس کے کسی حکم کی تعمیل سے کسی صورت اور کسی حالت میں پہلو تہی نہ کی جائے خواہ اس کے حکم کی مصلحت سمجھ میں آتی ہو یا نہ آتی ہو۔

نزاع باہمی سے بچنے سے مراد یہ ہے کہ جماعت میں کسی قسم کا اختلاف رونما نہ ہو۔ یہ اختلاف مقصد جنگ سے متعلق ہو یا طریقہ جنگ سے فکری ہو یا عملی پوری قوم ایک دیوار آہنی بن کر دشمن کے مقابلہ پر زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑی ہو۔

ظاہر ہے کہ جب خدا کی کوئی فرمانبردار جماعت خدا کی بادشاہی کو قائم کرنے کیلئے خدا کی مدد کے بھروسہ پر اس عزم وثبات، اس جوش وولولہ اور اس اتحاد واتفاق کے ساتھ خدا کے راستہ میں نکلے گی تو اگر پہاڑ بھی حائل ہوں گے تو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے،

اور دریا بھی راہ میں پڑیں گے تو پایاب ہو جائیں گے۔ نصرت خداوندی اس کے سر پر سایہ فگن ہو گی اور تائیدِ الٰہی اس کے قدم چومے گی۔

''نصرت'' اور ''فتح''

یہاں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ نصرت اور فتح دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔نصرت کا فاعل جب بندہ ہو اور اللہ تعالیٰ متصور تو اس سے مراد بندگان خدا کی مدد کرنا شریعت خداوندی کا احترام کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دینی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ان کو ملحوظ رکھنا، اس کے احکام کو دل وجان سے قبول کرنا اور اس کی نافرمانی سے کلی اجتناب کرنا ہوتا ہے۔امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔''

میں یہی نصرت مراد ہے۔

جب نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس سے غیبی قوتوں کے ذریعہ فرماں بردار بندوں کی مدد مراد ہوتی ہے۔ ''فتح'' مطلق کامیابی کو کہتے ہیں خواہ وہ خداوند تعالیٰ کی تائید غیبی سے حاصل ہو یا عام سنن کو نیہ کے مطابق اسباب عادیہ کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہو۔ چنانچہ سورہ فتح میں ''نصراللہ'' سے وہ ذہنی مرعوبیت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین پر طاری کر دی تھی اور جس کی وجہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور دل بیٹھے جا رہے تھے اور وہ خواستہ و ناخواستہ اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے کیلئے چلے آ رہے تھے اور ''فتح'' سے فتح مکہ اور دیگر فتوحات مراد ہیں۔

بہر حال نصرت ایک انعام خداوندی ہے جس سے صرف وفادار بندوں کو نوازا جاتا ہے اور فتح ایک عام چیز ہے۔

آیہ مذکورہ بالا میں جو پانچ اصول بیان فرمائے گئے ہیں ان میں سے دو ''ذکراللہ'' اور ''اطاعت خدا اور رسول'' حضرت خداوندی کے حصول کیلئے خصوصیت کے ساتھ ضروری ہیں۔ باقی تین ثابت قدمی، نزاع سے پرہیز اور صبر و ثبات فتح و کامرانی کی عام شرائط ہیں اور دنیا کے مسلمہ قوانین جنگ کے مطابق کوئی قوم اپنے حریف کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ان شرائط کو پورا نہ کرے۔

اسلام کا پہلا جیش منصور

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے تلے آپ کے مقدس صحابہ نے ان اصول کے ماتحت سب سے پہلے جو لڑائی لڑی وہ بدر کی لڑائی تھی۔

حضرت محمد ﷺ اور آپ کے مقدس ساتھیوں نے تیرہ سال تک مکہ معظّمہ میں لرزہ انگیز مظالم برداشت کیے حجاز کی جھلسی ہوئی پہاڑیوں پر تپتے ہوئے میدانوں میں ان کو ننگا لٹایا گیا۔سینہ پر گرم گرم پتھر کی سلیں رکھی گئیں۔شرم گاہوں میں نیزہ کی انیاں پیوست کی گئیں۔خدا کے مقدس گھر میں داخل ہو کر اس کے سامنے سر نیاز جھکانے سے روکا گیا۔ان کی پشت پر سجدہ کی حالت میں نجات کا انبار ڈالا گیا۔ان کو گالیاں دی گئیں۔ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کیے گئے ان کو پہاڑ کی گھاٹی میں قید کیا گیا۔کھانا پانی ان پر بند کیا گیا اور آخر کار مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنے مقدس ومحبوب وطن کو چھوڑ کر نکل جائیں۔پھر جب وہ صبر وشکر کے ساتھ وطن سے بھی نکل گئے اور یثرب کی سرزمین میں اپنی نئی دنیا بسالی تو یہاں بھی انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا اور ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں تاکہ خدا کے نام لیوان مقدس بندوں کے وجود سے خدا کی زمین کو خالی کر دیا جائے۔

اب بحکم خداوندی ایک ہزار کے لشکر کے مقابلہ میں جو سامان جنگ سے آراستہ تھا تین سو تیرہ خدا کے جان نثار و وفادار بندے راہ خدا میں اپنا سر دینے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ستر اونٹ، دو گھوڑے اور کچھ تلواریں اور نیزے کل سامان جنگ تھا مگر سینہ میں قوت ایمانی کا میگزین بھرا ہوا تھا۔اور دلوں میں شوق شہادت کا ایٹم بم پھٹا پڑا تھا۔

مہاجرین تو خیر زخم خوردہ تھے انصار کے جذبہ فدا کاری وشوق جاں نثاری کا یہ حال تھا کہ جب ان سے اس لڑائی میں شرکت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا ''یارسول اللہ ﷺ ہم آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کے پیغام کی صداقت کو تسلیم کر لیا تو پھر حق وصداقت کی راہ میں کسی قربانی سے ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے؟ جو آپ کا فیصلہ ہو اس پر عمل کیجیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغام حق کا حامل بنایا ہے اگر آپ حکم دیں گے تو ہم آپ کے ساتھ سمندر کی تہہ میں بھی گھس جائیں گے۔''

سالارِ اعظم ﷺ عریش میں سر بسجود تھے اور زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

''اے خدا! اگر آج تو نے ان مٹھی بھر ایمان والوں کو ہلاک ہونے دیا تو پھر دنیا میں تیرے آگے سر جھکانے والا کون رہے گا؟''

اس صبر وثبات، اس جاں فروشی وحق کوشی، اس شوق شہادت اور جوش انابت کا ایک ہی نتیجہ نکلنا تھا جو

نکلا۔ تین سو تیرہ خدا کے عاجز و وفادار بندوں نے اپنے سے تگنے مغرور و متکبر حریفوں پر فتح پائی۔

اس جنگ میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی غیبی امداد چار طرح ہوئی:

(۱) یکا یک زوردار بارش ہوئی جس سے مسلمانوں کے پاؤں تلے کی مٹی جم گئی، غسل و وضو اور پینے کیلئے پانی کی افراط ہوگئی۔ اس کے برخلاف قریش کے پڑاؤ میں جو بلندی پر واقع تھا کیچڑ اور پھسلن کی وجہ سے پاؤں ٹکنا دوبھر ہو گیا۔

(۲) مسلمانوں پر یکا یک غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی۔ آنکھ کھلی تو بدن میں طاقت اور دل میں قوت محسوس ہو رہی تھی۔

(۳) فرشتوں کی پلٹنیں بھیجی گئیں جنھوں نے مسلمانوں کے دوش بدوش کافروں کو قتل کیا۔

(۴) مسلمانوں کی نگاہ میں کافروں کی تعداد کو قلیل کر دکھایا گیا جس سے ان کی ہمت بندھی رہی۔

چنانچہ قرآن کریم میں اس امداد خداوندی کا اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے:۔

''اور اس وقت کو یاد کرو جب تم پر اونگھ طاری کر دی تسکین دینے کیلئے اپنی طرف سے اور آسمان سے تم پر پانی برسایا تا کہ تمہاری طہارت کا سامان کرے اور شیطان کی گندگی تم سے زائل کر دے۔ اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے۔ جب خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کے دلوں کو تھامے رہو۔ میں عنقریب کافروں کے دل میں دہشت ڈال دوں گا۔ لہٰذا تم ان کی گردنوں پر اور ان کی پور پور پر ضرب لگاؤ۔

احد اور حنین پر بھی ایک نظر

بدر کے ایک سال بعد ہی احد کا میدان جنگ گرم ہوا۔ فریقین جنگ وہی تھے جو پچھلے سال تھے مگر نتیجہ مختلف ہوا۔ محض اس لیے کہ شرائط نصرت خداوندی کی پابندی میں قدرے کوتاہی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ۵۰ صحابہ کی جو جماعت درہ کی حفاظت کیلئے متعین کی تھی وہ یہ سمجھ کر کہ اب لڑائی ختم ہوگئی ہے بغیر اجازت اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوگئی۔ غنیم کے ایک دستہ نے موقع دیکھ کر پلٹ کر پیچھے سے حملہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ فتح شکست سے بدل گئی۔

اسی طرح مکہ کی عظیم الشان فتح کے بعد جب مسلمان حنین کی طرف بڑھے تو ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ یہ سب سے بڑی تعداد تھی جو اب تک مسلمان کسی لڑائی میں دشمنوں کے مقابلہ پر لائے تھے۔ ان کے دلوں

میں عجب پیدا ہوا۔انہوں نے سوچا آج ہم اتنے زیادہ ہیں کہ کسی طرح شکست نہیں کھا سکتے۔اس طرح مقصد کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر یقین کی بجائے انہیں اپنی طاقت وقوت پر اعتماد پیدا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی حملہ قدم قدم اکھڑ گئے اور پسپا ہوئے۔

یہ دونوں واقعات ان میدانوں کے ہیں جن میں خدا کے مقدس ترین پیغمبر محمد ﷺ سالارِ لشکر تھے اور خدا کے وفادار ترین بندے صحابہ کرام سپاہی۔ پھر جب یہاں خدا کی نصرت کا قانون اپنی جگہ اٹل رہا تو دوسرے مواقع کا ذکر ہی کیا ہے۔

امم سابقہ کا ایک واقعہ

پھر یہ کوئی امت محمدیہ ہی کی خصوصیت نہ تھی امم سابقہ میں سے بھی اللہ کے وفادار بندوں کی جو جماعت ان شرائط کی پابندی کے ساتھ خدا کے باغیوں کے مقابلہ پر آئی اس کی اسی طرح غیبی مدد فرمائی گئی۔ حضرت شموئیل علیہ السلام کے زمانہ میں قوم طالوت کا لشکر جالوت سے مقابلہ کا واقعہ بھی جس کا ذکر سورہ بقرہ میں کیا گیا ہے۔ بدر ہی کے واقعہ کے مماثل ہے۔ رفقاء طالوت بھی تین سو تیرہ خدا کے وفادار بندے تھے۔ دوسری طرف جالوت کا غرق آہن لشکر تھا۔ مگر یہ تین سو تیرہ وہ تھے جو راہِ خدا میں سر دھڑ کی بازی لگانے کیلئے نکلے تھے۔(**قالوا ومالنا ان لا تقاتل فی سبیل اللہ**)صبر کی آزمائش میں پورے اتر چکے تھے۔ باوجود شدت تشنگی کے پانی کا ایک قطرہ اپنے ہونٹوں سے نہ لگنے دیا تھا۔(**ان اللہ مبتلیکم بنھر**)ثبات واستقامت اور شوق شہادت کا یہ حال تھا کہ سمجھتے تھے کہ اللہ سے ملنے جا رہے ہیں۔اور دیو پیکر حریفوں کو پشہ کے برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے۔(**وقال الذین یظنون انھم ملٰقوا اللہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ**)نتیجہ وہی نکلا تھا جو بدر میں نکلا۔ خدا کی غیبی قوتیں منصۂ شہود پر آئیں اور ان قلیل وحقیر خدا کے وفادار بندوں نے کثیر وعظیم لشکر کفار کا منہ پھیر دیا(**فھزموھم باذن اللہ**)۔

صحابہ کرام کی فتوحات

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو حیرت خیز اور تعجب انگیز فتوحات حاصل ہوئیں وہ ”قانون نصرت خداوندی“ کے مطابق حاصل ہوئیں۔ عہدہ خلافت راشدہ کی مہمات پر آپ ایک نظر ڈال جائیے۔ آپ کو ہر میدان میں للّٰہیت، صداقت، حق گوشی، معدلت گستری، جان بازی، فدا کاری، ثابت قدمی،

اپنوں سے عزت ومحبت، غیروں سے انصاف وشفقت کے ہزاروں مناظر چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔ لڑائیاں کتنی ہوئیں اور کہاں کہاں ہوئیں؟ بہت کم۔ جہاں اس مقدس قوم کے قدم پہنچتے تھے وہاں کے شہری ان کو خدا کی رحمت کے فرشتے سمجھ کر ان کے قدم لیتے تھے اور ان کے گرد پروانہ وار جمع ہوجاتے تھے اور وہاں کے عسکری قومیں ان کو جن اور دیو سمجھ کر دیوانہ وار آگے آگے بھاگتی تھیں۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان جب حضرت عمرو بن عاص کی قیادت میں وادی مصر میں داخل ہوئے تو وہاں کے اصل باشندوں (قبطیوں) نے ان کیلئے راستے صاف کیے، پل بنائے، ان کیلئے رسد جمع کی اور ان کے دوش بدوش لڑے۔ قیصرِ روم نے جب قبطی سردار مقوقر کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے اس حکم کی تعمیل سے صاف انکار کردیا (شہر المشاہیر ج ۳ ص ۵۸۱) یہ واقعہ ہے کہ مسلمان جب ایرانی حدود میں داخل ہوئے تو مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور بے نظیر کریکٹر کو دیکھ کر دشمن کے چار ہزار سپاہی مشرف باسلام ہوگئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر انہوں نے اپنی قوم کے ظالم وجابر سرداروں سے جنگ کی۔ چنانچہ مدائن جلولا اور اہواز کی فتح میں ان نومسلموں کی مدد کو کافی دخل ہے۔

رستم سپہ سالارِ اعظم ایران ساباط میں چھاؤنی ڈالے پڑا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اس کے دربار میں سفیر بن کر پہنچے۔ دربار حریر و دیبا کے فروش سے مزین تھا۔ درمیان میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا تاج سر پر رکھے رستم بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ دور تک درباری اپنی اپنی حیثیت کے مطابق آن بان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ سامنے خدام پرے جمائے ادب کے ساتھ کھڑے تھے۔

حضرت مغیرہ گھوڑے سے اتر کر بے باکانہ بڑھے اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ پہریدار آگے بڑھے اور انہوں نے آداب دربار کے مطابق مغیرہؓ سے تخت سے اترنے کیلئے کہا۔

حضرت مغیرہؓ نے فرمایا: اے سرداران ایران! ہم مسلمان بندوں کو خدا نہیں بناتے۔ یہ تمہارا عجب دستور ہے کہ تمہارے ہاں کمزور طاقتوروں کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں دیوتا بنا کر اونچی جگہ بٹھاتے ہیں۔ افسوس تم مساوات انسانی کے اصول کو تسلیم نہیں کرتے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تمہاری سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔

مغیرہؓ کی زبان سے یہ لفظ سن کر عوام الناس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ''بھئی اس عرب نے بات تو سچی کہی'' سرداروں نے یہ رنگ دیکھا تو بولے''اب رعایا ہمارے ہاتھ سے گئی۔جو لوگ اس قوم کو بے طاقت سمجھتے ہیں وہ بڑے بے وقوف ہیں''(محاضرات خضری ص ۱۱۴)

شام میں بھی یہی ہوا۔جہاں جہاں فاتحین اسلام کے قدم پہنچے وہاں کے لوگ ان کے پاؤں دھو دھو کر پینے لگے۔غالباً حمص کا واقعہ ہے کہ جب کسی جنگی مصلحت سے مسلمانوں کو اسے خالی کرنا پڑا تو انہوں نے اہل شہر کو جزیہ کی رقم واپس دے دی۔اہل شہر نے تعجب سے پوچھا یہ کیوں؟ امیرِ لشکر اسلام نے جواب دیا کہ جزیہ حفاظت کا ٹیکس تھا۔جب ہم تمہاری حفاظت سے دستبردار ہوتے ہیں تو ٹیکس کے حق دار کس طرح ہو سکتے ہیں؟

اہل شہر یہ سن کر رونے لگے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگے کہ خدا تمہارے مبارک قدموں کو پھر واپس لائے۔

اسپین اور ہندوستان کی فتوحات ۹۶ھ میں ہوئیں۔یہ صحابہ کرام کا عہد نہ تھا بلکہ تابعین عظام کا زمانہ تھا۔ تاہم یہ امر یورپین مؤرخین تک کو تسلیم ہے کہ موسیٰ گورنر افریقہ کے پاس اسپین میں داخلہ کی درخواست لے کر خود اسبیلیہ کا لاٹ پادری، سبنہ کے رومی گورنر جولین کے ساتھ آیا اور کہا کہ ''اسپین کی موجودہ حکومت رعایا کیلئے قہر خداوندی ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق بنی نوع انسان کی خدمت کے جو حقوق آپ پر عائد ہوتے ہیں ان کے پیش نظر آپ کا یہ مذہبی وانسانی فرض ہے کہ اہل اندلس کو موجودہ ظالم حکومت کے پنجہ سے نجات دلائیں۔''

موسیٰ نے قدرے تامل کے بعد اس درخواست کو قبول کیا اور اپنے ایک نو مسلم افریقی سردار طارق کو سمندر پار کر کے اسپین میں داخل ہونے کا حکم دیا۔

طارق ۱۲ ہزار فوج کے ساتھ ساحل اسپین پر اس جگہ اتر گیا جو آج جبرالٹر(جبل الطارق) کے نام سے اسی کے نام پر موسوم ہے۔یہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے جہازوں کو نذر آتش کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اب واپس جانے کا کوئی سوال نہیں ہے۔

یا اس سرزمین کی پہنائیوں میں آسودہ موت ہونا ہے اور یا اس کی بلندیوں پر فتح کے جھنڈے گاڑ دینے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بارہ ہزار کی قلیل جمعیت نے مرزیق شہنشاہ اسپین کے ایک لاکھ کے عظیم الشان لشکر کو شرمناک شکست دی (تاریخ الاندلس فاتح سندھ از اسکاٹ)

فاتح سندھ محمد بن قاسم ثقفی نے بھی اسی سال راجہ داہر کی گوشمالی کیلئے جس نے عرب عورتوں اور بچوں سے بھرے ہوئے جہاز کو لوٹ لیا تھا سندھ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ فتوحین کے ساتھ اس نے جس انسانیت، شرافت اور محبت کا برتاؤ کیا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب دربار خلافت سے اسے واپس طلب کیا گیا تو اہل ہند اس کی جدائی پر زار و قطار روتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی عقیدت و محبت کے اظہار کے طور پر کیرج میں اس کی مورتی بنا کر اس کی پوجا کی اور یہ سب اس صورت میں کیا گیا کہ یزید بن ابی کبشہ اس کا جانشین اس کی مخالفت پارٹی سے تعلق رکھتا تھا اور محمد بن قاسم سے کسی عقیدت کے تعلق کو وہ پسند نہ کرتا تھا (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۸)

یہ تو مفتوحہ ممالک کے عوام سے ان کے تعلقات کا حال تھا۔ وہاں کی برسر اقتدار طاقتیں جو ان کے مقابلہ میں آئیں ان کے متعلق ان کے خیالات کیا تھے اس کا اندازہ ان واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

بحیرۂ مشیر کی فتح کے بعد جب مسلمان مدائن کے سامنے پہنچے تو کسریٰ کا قصر ابیض سامنے چمک رہا تھا۔ اس قصر کے کنگرے دیکھتے ہی مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ کا مژدہ فتح یاد آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا تھا:

''مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کے قصرِ ابیض کو فتح کرے گی۔''

اس بشارت کے یاد آتے ہی مسلمانوں کے بازوؤں میں شجاعت کی برقی لہریں دوڑ گئیں اور ان کے دل ایمان و ایقان کے نشہ میں جھومنے لگے۔ ان کے اور قصرِ ابیض کے درمیان دریائے دجلہ اپنی پوری روانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کی حرارت ایمانی کے سامنے دجلہ کا پانی کیا تھا۔ نعرۂ تکبیر کی صداؤں میں دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور آن کی آن میں پار ہو گئے۔ ایرانیوں نے جو اس طرح مسلمانوں کو آتے دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے ''دیواں آمدند دیواں آمدند۔''

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۶۵)

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر**

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی قسط 56

علامہ اقبال مرحوم کا نظریۂ عدم تقلید اور اس کا شاخسانہ

گزشتہ شماروں میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے قادیانیوں کے متعلق ابتداء میں نرم گوشے اور ناقص فہم عقیدۂ ختم نبوت کے متعلق تفصیل سے لکھا گیا۔ اقبال مرحوم کی مسئلہ ختم نبوت کے معاملے میں کج فہمی اس لئے ہوئی کہ وہ عدم تقلید کے قائل تھے۔ اور یہی وہ نظریہ ہے جو کہ اس قسم کے عقائد کی بنیاد بنتا ہے۔ خصوصاً برصغیر میں اس نظریہ نے بڑے بڑے فتنوں کو جنم دیا۔ شروع شروع میں اس نظریہ کو فکری آزادی کا خوبصورت نام دیا گیا، بعد میں یہی فقرہ ترک تقلید میں بدل گیا۔ چنانچہ اسی ترک تقلید کے نتیجہ میں برصغیر میں نیچری، انکار حدیث اور اصرار حدیث جیسے فتنوں نے جنم لیا۔ یہاں تک کہ ختم نبوت کے بعد نئی جھوٹی نبوت کے اجراء کا ذریعہ بھی یہی نظریہ بنا۔ اقبال مرحوم نے اپنے اس نظریہ کا اظہار اپنی ایک تحریر میں کیا ہے جو کہ انہوں نے اپنے بچوں کے لئے ایک وصیت میں لکھی تھی۔

> دیگر میرے مذہبی اور دینی عقائد سب کو معلوم ہیں۔ میں عقائد دینی میں سلف کا پیرو ہوں۔ نظری اعتبار سے فقہی معاملات میں غیر مقلدّ ہوں۔ عملی اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقلدّ ہوں۔ (زندہ رود جلد۳/صفحہ ۲۷۵)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے دینی معاملات میں اگر کہیں ٹھوکر کھائی تو اس کی وجہ یہی نظریہ عدم تقلید تھا، مگر چونکہ وہ عملی اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کے بھی قائل تھے اس لئے انہیں راہ راست پر لانے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ انہیں راہ راست پر لانے کا سہرا حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور اکابرین احرار کے سر ہی رہے گا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے قادیانیت کے بارے میں انہی حضرات سے رابطہ رکھا، جس کی وجہ سے ان پر قادیانیت کی حقیقت منکشف ہوئی۔ اس کے متعلق تفصیل سے آگے آ رہا ہے۔

تقلید کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم کا سوال اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا جواب

ڈاکٹر اقبال مرحوم علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی علمیت کے قائل و مدّاح تھے۔ مئی ۱۹۳۳ء علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال پر اسلامیہ کالج لاہور میں مسلمانانِ لاہور کا ایک تعزیتی اجتماع ہوا۔ اس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے پہلے تو یہ شعر پڑھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا:

''اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔''

ایک دفعہ ڈاکٹر اقبال مرحوم علامہ انور شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھے، انہوں نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے سوال کر دیا:

''آپ اتنے بڑے محدّث اور فقیہ ہیں پھر بھی آپ امام ابو حنیفہؒ کے مقلّد ہیں؟ اس پر علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ہاں ڈاکٹر صاحب میں امام ابو حنیفہ کا مقلّد محض ہوں''۔ اس پر ڈاکٹر اقبال نے عرض کی کہ میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟ تو اس پر حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب ہم لوگ اللہ کے نبی کی بعثت سے ۱۳/سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں، اور جو لوگ ہم سے پہلے اللہ کے نبی کے زمانے کے زیادہ قریب ہیں، ان کے دماغ ہم سے زیادہ اللہ اور اس کے نبی کی بات کو سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے دماغ سے زیادہ ان کے دماغ اور سمجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ چونکہ ہم سے بہت پہلے اللہ کے نبی کے قریبی زمانے میں تشریف لائے اور انہوں نے قریب زمانے میں فقہی بنیاد پر دین و اسلام کی تدوین کی، اس لئے ہم ان کے بعد کسی اور کو اہمیت نہیں دیتے۔ اقبال مرحوم نے سوال کیا کہ کیا یہ امام ابو حنیفہؒ کی شخصی تقلید ان کی ذہنی غلامی نہیں؟ علامہ صاحب نے فرمایا ڈاکٹر صاحب غلامی کا تعلق شخصیت سے ہوتا ہے، ہم ان

کی شخصیت کے غلام نہیں، اور تقلید کا تعلق کسی شخصیت سے نہیں بلکہ اس شخصیت کے فن اور صلاحیت پر اعتماد کا نام ہے۔ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فن اور صلاحیت کے مقلدّ ہیں۔(بروایت حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ)

ڈاکٹر اقبال کا قادیانیت کے خلاف پہلا کُھلا بیان اور اس کی حقیقت

ڈاکٹر اقبال نے ۱۹۳۵ء میں قادیانیت کی تردید میں ’قادیانیت اور صحیح العقیدہ مسلمان‘‘ کے عنوان سے انگریزی میں ایک مضمون لکھا، جو کہ اس وقت کے مختلف اخباروں مثلاً ’’ایسٹرن ٹائمز، ٹریبیون، سٹار آف انڈیا کلکتہ، دکن ٹائمز‘‘ وغیرہ میں شائع ہوا۔اس کے علاوہ اردو اخباروں میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہوا۔اس پر قادیانی اخبارات نے شور مچایا اور اقبال کے خلاف مضامین لکھے۔جس کا سیاسی طور پر اثر یہ ہوا کہ قادیانیوں کی حمایت میں پنڈت جواہر لال نہرو میدان میں آ گئے ،اور انہوں نے اپنے تین انگریزی مضامین ’’بعنوان اتحاد اسلام، اقبال کے مضمون پر تبصرہ‘‘ جو کلکتہ کے رسالے ’’ماڈرن ریویو‘‘ میں نومبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئے اقبال کے نظریہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ڈاکٹر اقبال نے جواہر لال نہرو کے مضامین کا نہایت جامع جواب بعنوان ’’اسلام اور احمدیت‘‘ تحریر کیا جو پندرہ روزہ اخبار ’’اسلام‘‘ مؤرخہ ۲۲ر جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔جواہر لال نہرو اور اقبال میں اس مسئلہ پر خط و کتابت بھی ہوئی۔جس کا تفصیلی جواب دینے کے بعد ڈاکٹر اقبال نے قادیانیوں کے مذہبی اور سیاسی رویہ کا تجزیہ کرتے ہوئے مورخہ ۲۱ر جون ۱۹۳۶ء میں جواہر لال نہرو کو لکھا کہ

’’میرے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں‘‘

(اقبال کے بیانات اور تحریریں، مرتبہ لطیف احمد شیروانی صفحہ ۲۰۰)

رئیس الاحرارؒ کا انکشاف

ڈاکٹر اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز ’’جو کہ قادیانی ہیں‘‘ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ’’ڈاکٹر اقبال نے احراریوں کے کہنے پر وہ بیانات دیئے تھے‘‘۔

وہ فرماتے ہیں کہ کشمیر کمیٹی کے قیام اور اُس کی صدارت جماعت احمدیہ کے امام کے سپرد کئے جانے کا مجلس احرار کے قائدین کو بڑا قلق تھا۔مجلس احرار کانگرس سے ساز باز کرنے کے سبب مسلمانوں

میں مقبولیت کھو چکی تھی۔ پس اپنی ساکھ دوبارہ قائم کرنے کے لئے وہ بھی کشمیری مسلمانوں کی تحریک آزادی کی حمایت میں آگے بڑھی۔......علامہ اقبال کشمیر کمیٹی کے ضرور ممبر ہو گئے تھے۔لیکن یہ کیفیت اضطراری تھی۔ وہ فوراً سنبھل کر کشمیر کمیٹی کی تخریب میں لگ گئے۔اور احرار کی تنظیم کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرنے لگے۔پس احراری اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر حربہ سے کام لے رہے تھے۔اقبال کو استعمال کر کے اُن سے احمدیت کے خلاف بیان دلوانا بھی اسی سلسلہ کی کڑی تھی۔اس کی تائید عبدالمجید سالک کے بیان سے ہوتی ہے۔ وہ اقبال کے احمدیوں کے خلاف پہلے بیان کے پس منظر کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں۔

''۱۹۳۵ء میں مولانا ظفر علی خان اور مجلس احرار نے احمدیت اور احمدیوں کے خلاف ایک عام تحریک کا آغاز کیا......خدا جانے علامہ اقبال نے کس عقیدت مند کی درخواست پر ایک مضمون لکھ دیا۔جس میں بتایا کہ اس فرقہ کی بنیاد ہی غلطی پر ہے۔علامہ نے اس کے بعض اور علمی نکات بیان کئے اور آخر میں حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ اس فرقے کو ایک علیحدہ جماعت تسلیم کرے۔''(زندہ رود، تلخیص از صفحہ ۲۹۲ تا ۲۹۸)

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ شیخ اعجاز نے پورا سچ نہیں کہا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ اس نے غلط بھی نہیں کہا۔اس سلسلہ میں ہم رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ؒ کی تحریر پیش کرتے ہیں۔ رئیس الاحرارؒ لکھتے ہیں:

ایک بات اور ذہن میں رہنی چاہیے وہ یہ کہ ڈاکٹر اقبال نے قادیانیوں کے متعلق کُھل کر جو سب سے پہلا بیان دیا تھا اس میں میری کوششوں کا بڑا دخل تھا۔قصہ یوں ہے کہ مجلس احرار اسلام نے تحریک کشمیر کے ساتھ ساتھ جب قادیانیوں کا مذہبی طور پر تعاقب شروع کیا تو اس سے قادیانی گھبرا گئے۔مجلس احرار نے ان پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔۱۹۳۴ء میں قادیان میں ہم نے جارحانہ طور پر کام شروع کیا۔سب سے پہلے میری تقریر قادیان کی زمین پر ہوئی۔ یہ مارچ ۱۹۳۴ء کا زمانہ تھا۔اس وقت قادیان میں اس طرح داخل ہو کر علی الاعلان قادیانیوں کو للکارنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ مرزا بشیر الدین محمود کے ظلم وستم کے ستائے ہوئے لوگ ہمارے پاس آئے۔ چنانچہ مجلس احرار

نے قادیان میں میری تقریر کا اعلان کر دیا۔ میری اس تقریر سے قادیان کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور ہم نے وہیں فیصلہ کیا کہ قادیان میں ختم نبوت کے موضوع پر باقاعدہ احرار کانفرنس منعقد کی جائے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں قادیان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی صدارت میں احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی وجہ سے قادیانی ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ اور انہوں نے باقاعدہ سیاسی طور پر ہماری مخالفت شروع کر دی۔ قادیانیوں نے اس وقت کے بڑے بڑے مسلم اور غیر مسلم لیڈروں سے ہماری شکایت شروع کر دی۔ ۱۹۳۵ء کے شروع میں میرا اور ماسٹر تاج الدین انصاری کا دہلی جانا ہوا، ان دنوں ماسٹر تاج الدین انصاری کا مجلس احرار کی طرف سے دہلی میں تقرری کا فیصلہ ہوا تھا۔ میں اور ماسٹر تاج الدین صاحب اس سلسلہ میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے دہلی گئے۔ جواہر لال نہرو کو میرے دہلی آنے کا علم ہو گیا، انہوں نے مجھے بلوا بھیجا۔ اس ملاقات میں مجلس احرار اسلام کی کانگریس کے ساتھ کام کے طریقہ پر بات ہو رہی تھی کہ باتوں باتوں میں اچانک جواہر لال نہرو نے مجھے کہا کہ آپ کی جماعت کی وجہ سے کانگریس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ میں نے سوال کیا کہ وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کے تمہارے اور احمدی مسلمانوں کا اختلاف کونگریس کا نقصان پہنچا رہا ہے۔ میں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہا کہ آپ کو کس نے کہا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ قادیانی جن کو آپ احمدی کہتے ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ پنڈت جی نے کہا کہ آپ اس نبی کو مانتے ہیں جو کہ عرب میں پیدا ہوئے، اور سینکڑوں سال سے آپ ان کی اتباع کر رہے ہیں، اگر ایک نبی جو کہ ہندوستان میں پیدا ہو گیا ہے تو اس کو مان لینے میں آپ کو کیا اعتراض ہے؟ میں نے کہا کہ پنڈت جی آپ کے دھرم کے مطابق رام ہندوستان میں پیدا ہوا، اس کو ماننے والے ہندوستان میں موجود ہیں اور ہندو دھرم کا اصل مرکز ہندوستان ہے۔ دنیا کے دوسرے ممالک کے تمام ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ رام وہی ہے جو کہ ہندوستان میں تھا۔ اب اگر کسی دوسرے ملک میں یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ اب رام اس ملک میں آ گیا ہے اور ہندوستان کے رام کو بھول جاؤ، تو کیا آپ کا دھرم اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ

اس بات کو تسلیم کر لیا جائے۔اس پر پنڈت جواہر لال نہرو کچھ دیر خاموش ہو گئے۔ پھر پنڈت جی نے کہا یہ آپ مولوی لوگوں کے دھندے ہیں کوئی پڑھا لکھا لبرل مسلمان اس قسم کی باتیں نہیں کہتا۔آپ اس سلسلہ میں ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے کانگریس کو نقصان نہ پہنچ پائے کیونکہ ہم نے ہر طبقہ سے تعاون لینا ہے۔ ہمارے لئے سب مسلمان برابر ہیں یہ فرقوں کی تفریق آپ اپنے تک محدود رکھیں۔ سیاسیات میں اس کا سایہ ہم تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ پنڈت جواہر لال نہرو چونکہ ایک دفعہ کسی مقدمہ میں قادیانیوں کے وکیل بھی رہ چکے تھے اس لئے ان سے بحث بے کار تھی، البتہ میں نے اتنا ضرور کہا کہ اگر آپ قادیانیوں کو اہمیت دیں گے تو ہندوستان کے سارے مسلمان کانگریس سے الگ ہو جائیں گے، کیونکہ قادیانی چند ہزار ہیں اور مسلمان قوم جو قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتی ہے ان کی تعداد کروڑوں ہے۔ یہ فیصلہ آپ ہی نے کرنا ہے۔

یہ کہہ کر میں جواہر لال سے اپنی بات کا جواب سُنے بغیر ہی اُٹھ آیا۔ میں نے آ کر ماسٹر تاج الدین انصاری سے بات کی، وہ بھی پریشان ہو گئے۔اچانک میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں تمام پروگرام ملتوی کر کے سیدھا لاہور دفتر احرار پہنچا۔ میں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بارے میں معلوم کیا مگر وہ نہ ملے۔اصل میں میرے دل میں یہ بات اچانک نہ جانے کہاں سے سما گئی کہ جواہر لال کی اس بات کا جواب ضرور ملنا چاہئے کہ قادیانیوں کا مسئلہ صرف مولویوں کا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا احساس عام پڑھے لکھے لبرل مسلمان کو بھی ہے۔ چنانچہ میں نے شاہ صاحب کا ایک دن انتظار کیا مگر ان سے ملنے کی کوئی راہ دکھائی نہ دی۔ میں نے اکیلے ہی یہ کام کرنے کا ارادہ کیا۔اور اللہ سے دعائی کی کہ جس کام کے لئے میں جا رہا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے اس میں کامیابی دے۔ وہ یہ تھا کہ میں نے ڈاکٹر اقبال سے اس سلسلہ میں تعاون لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے ساتھ مولوی عبد الغفور لدھیانوی تھے، جو کہ میرے عزیز بھی تھے اور ان دنوں وہ قادیان میں مجلس احرار کے دفتر کے ذمہ دار بھی تھے۔ ’’آج کل وہ گوجرانوالہ میں مقیم ہیں‘‘ ہم نے ڈاکٹر اقبال کے ساتھ ان کی کوٹھی پر ملاقات کی۔ ان کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا، اور جواہر لال نہرو کے ساتھ ہونے والی

گفتگو بھی بیان کی۔اور کہا کہ سیاست کے ساتھ ساتھ ہماری جماعت قادیانیوں کے خلاف دینی محاذ پر بھی کام کر رہی ہے۔ختم نبوت کا مسئلہ ایسا ہے کہ آپ کو اس سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔آپ سیاست کے ساتھ دینی محاذ پر بھی کُھل کر کام کریں۔خصوصاً قادیانیوں کے متعلق اپنا نقطۂ نظر عوام کے سامنے لائیں۔ڈاکٹر اقبال نے ہم سے پوچھا کہ میں اس سلسلہ میں کیا کام کر سکتا ہوں۔تو میں نے کہا کہ آپ اخبارات میں قادیانیوں کی اصلیت کے متعلق اپنا نقطۂ نظر ظاہر کریں، تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ معاملہ صرف احرار یا مولویوں کا نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں لبرل کہلانے والے مسلمان بھی شامل ہے۔اقبال نے ہم سے کہا کہ قادیانیوں کے متعلق میری معلومات اگرچہ بہت ہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ جب میں مضمون لکھوں تو اس میں کوئی خامی نہ رہ جائے۔تو میں نے فوراً مولانا حبیب الرحمٰن مکی کا نام لے دیا۔مولانا حبیب الرحمٰن مکی (جو کہ لاہور کے رہنے والے تھے،مگر مکہ معظّمہ میں کافی عرصہ رہنے کے بعد واپس ہندوستان چلے آئے تھے اور ان کے نام کے ساتھ لفظ مکی لگ گیا تھا ان کا قلب اور شاگردی کا تعلق حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے ساتھ تھا اور ان کے اقبال کے ساتھ بھی تعلقات تھے) کے ذمہ لگا دیا کہ وہ ڈاکٹر اقبال کو قادیانیوں کے دجل وفریب سے آگاہ کریں۔وقتاً فوقتاً میں ان کی راہنمائی بھی کرتا رہا۔چنانچہ انہوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا۔اس کا فائدہ یہ نکلا کہ اقبال کو قادیانیوں کے متعلق کوئی خوش فہمی نہ رہی تھی۔

چنانچہ اقبال نے اس کے کچھ عرصہ کے بعد قادیانیوں کے متعلق کھل کر بیان دیا جو اس وقت کے تمام اہم اخبارات انگریزی اور اردو میں شائع ہوا۔ڈاکٹر اقبال کا یہ بیان جب اخبارات میں آیا تو عین میرے اندازے کے مطابق قادیانیوں کی حمایت میں جواہر لال نہرو نے سب سے پہلے اقبال کے اس بیان کی مخالفت کی۔جبکہ کسی اور غیر مسلم راہنماء کی طرف سے اقبال کے بیان کی مخالفت نہیں کی گئی۔چنانچہ اسکے بعد جواہر لال نہرو سے اقبال کی تحریری بحث بھی ہوئی۔یہ بحث ہو سکتا ہے کہ مزید طول پکڑتی، میں نے خود جا کر جواہر لا نہرو کو سختی کے ساتھ اس بحث سے روکا،اور کہا کہ جو آپ چاہتے تھے وہ ہو چکا ہے

،آپ کا مطالبہ تھا کہ مسلمانوں میں لبرل طبقہ قادیانیوں کے خلاف نہیں ہے،ڈاکٹر اقبال جوکہ ایک پڑھے لکھے لبرل مسلمان سمجھے جاتے ہیں انہوں نے وضاحت کے ساتھ قادیانیوں کو مسلمانوں سے ایک علیحدہ فرقہ قرار دیدیا ہے،اس لیے آپ کو ضد نہیں کرنی چاہیے۔ساتھ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کی یہ ضد برقرار رہی تو ہماری جماعت کانگریس کے ساتھ تعلقات پر نظر ثانی کر سکتی ہے۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جواہر لال نہرو اس معاملے سے دستکش ہو گئے۔

رئیس الاحرارؒ کی اس تحریر کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اقبال نے جو بیان قادیانیت کے متعلق دیا اور پھر جواہر لال نہرو سے تحریری مباحثہ بھی کیا اس کے لیے اقبال کو پوری معلومات نہ تھیں۔بلکہ اس موضوع کے لیے دوسروں سے مدد لینی پڑی۔فرزند اقبال خود لکھتے ہیں۔

مگر تحریک احمدیہ کے عقائد کو باطل ثابت کرنے یا احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دینے کی خاطر اقبال کو مناظرانہ رویہ اختیار کرنا پڑا جو ان کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔اور شاید اسی سبب اقبال نے پنڈت جواہر لعل نہرو کو تحریر کیا کہ دینیات میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں، لیکن احمدیوں کے ساتھ اُن کے اپنے میدان میں نبرد آزما ہونے کے لیے انہیں اس موضوع سے تھوڑی بہت مدد لینی پڑی۔(زندہ رود، جلد۳، صفحہ۳۱۴)

یہ مدد وہی ہے جس کے متعلق رئیس الاحرارؒ نے اشارہ فرمایا ہے۔اور اس کا اقرار اقبالؒ نے رئیس الاحرارؒ کے نام اس خط میں بھی کیا ہے۔

نئی نبوت کا مدّعی کذّاب اور واجب القتل ہے! اقبال

اقبال کا خط رئیس لاحرارؒ کے نام

محترم مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

یوں تو اکثر اوقات آپ غریب خانے پر تشریف لے آتے ہیں اس لیے خط وکتابت کی ضرورت پیش نہیں آئی، مگر گذشتہ دنوں جواہر لال نہرو کی طرف سے قادیانیوں کے مسئلہ

میں آپ کے توجہ دلانے پر کافی فکر ہوئی۔

عقیدۂ ختم نبوت ایمان کی بنیاد ہے، قادیانیت کے مسئلے میں بذات خود میں تذبذب کا شکار رہا، مگر جب سے آپ لوگوں کے ساتھ گفت وشنید ہوئی ہے تو طبیعت اس سلسلہ میں صاف ہوگئی، خصوصاً مولانا انور شاہ صاحبؒ کی مجالس اس مسئلہ میں فائدہ مند رہیں۔ اور پھر آپ ہی کے حکم کے مطابق مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مکّی نے باقاعدہ طور پر مجھے مسئلہ قادیانیت سے آگاہ کیا، الحمدللہ اب شرح صدر ہو چکا ہے، شروع شروع میں اس تحریک کو میں اس قدر نقصان دہ نہیں سمجھتا تھا مگر آپ لوگوں کے مسلسل توجہ دلانے پر میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ''میری نظر میں بھی رسالت مآب ﷺ کے بعد کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والا نہ صرف کذّاب بلکہ واجب القتل ہے''۔ آپ ہی کی محنت کے نتیجہ میں یہ نتیجہ نکلا کہ قادیانیت کا اصلی روپ میرے سامنے کھُل کر آ گیا۔ میں نے اس مسئلہ میں ایک تفصیلی مضمون سپردِ قلم کیا ہے۔ یہ انگریزی میں ہے مگر آپ کی سہولت کے لئے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے بھیج رہا ہوں۔ اور جلد ہی اخبارات میں آ جائے گا۔

کل ہی پیر جی قبلہ عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب تشریف لائے تھے، مسئلہ ختم نبوت پر بات چل نکلی، اس میں آپ کا ذکر بھی آیا، اسی سلسلہ میں آپ کو شکریہ کا خط لکھ رہا ہوں ۔چونکہ رَدّ قادیانیت کی ابتداء بھی آپ ہی کے خاندان کی طرف سے ہوئی تھی، اس لحاظ سے آپ جیسی شخصیت کا جماعتِ احرار کا صدر ہونا جماعت کی حقانیت کا ثبوت ہے،۔ امید رکھتا ہوں کہ آپ کے اگلے سفر لاہور میں آپ سے ملاقات ہو جائیگی، قبلہ والد صاحب کی خدمت میں سلام۔

(مخلص، محمد اقبال، لاہور)

رئیس الاحرارؒ کے نام اقبال کے خط کے الفاظ کہ ''میری نظر میں بھی رسالت مآب ﷺ کے بعد کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والا نہ صرف کذّاب بلکہ واجب القتل ہے'' کی تصدیق اقبال کی ایک اور تحریر سے بھی ہوتی ہے جو کہ انہوں نے نذیر نیازی کو بھیجی تھی جو کہ اس وقت ''طلوع اسلام'' کے ایڈیٹر تھے۔ نذیر نیازی نے اقبال کی یہ تحریر اپنے ماہنامہ ''طلوع اسلام'' بابت ۱۹۳۵ء میں شائع کی تھی۔ اس

مضمون کا کچھ حصہ ''انوارِ اقبال'' نامی کتاب میں اس کے مرتب بشیر احمد ڈار نے شائع کیا ہے۔ اس کے ساتھ اس میں ڈاکٹر اقبال کی اس تحریر کا عکس بھی شائع کیا ہے۔ مگر اس میں تحریف یہ کی کہ اس میں ان الفاظ کو حذف کر دیا گیا جس میں اقبال نے ''کاذب اور واجب القتل'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

نبوت کے دو اجزا ہیں۔

(۱)۔ خاص حالات وواردات جن کے اعتبار سے نبوت، روحانیت کا ایک مقام خاص تصور کی جاتی ہے۔ (مقام تصوف اسلام میں ایک اصطلاح ہے)

(۲)۔ ایک Socio-Political instiution قائم کرنے کا عمل یا اس کا قیام۔ اس instiution کا قیام گو ایک نئی اخلاقی فضاء کی تخلیق ہے جس میں پرورش پا کر فرد اپنے کمالات تک پہنچتا ہے اور فرد اس نظام کو ممبر نہ ہو یا اس کا انکار کرے وہ ان کمالات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس محرومی کو مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں۔ گویا اس دوسرے جزو کے اعتبار سے نبی کا منکر کافر ہے۔

دونوں اجزا موجود ہوں تو نبوت ہے۔ صرف پہلا جزو موجود ہو تو تصوف اسلام میں اس کو نبوت نہیں کہتے، اس کا نام ولایت ہے۔ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزا نبوت کے موجود ہیں، یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو ''وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل''۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا، حالانکہ جیسا راوی لکھتا ہے کہ وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کا مصدّق تھا اور اس نے اذان میں حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ (انوارِ اقبال، صفحہ ۴۴)

مجلس احرار اور قائد اعظم پاکستان مسٹر جناح میں اتحاد

انہی دنوں مجلس احرار اسلام ہندوستان خصوصاً پنجاب، سرحد، اور کشمیر میں مذہبی جماعت کے

ساتھ ساتھ ایک سیاسی طاقت بن کر اُبھری۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب میں کوئی سیاسی جماعت بھی مجلس احرار اسلام کے بغیر کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کرسکتی تھی۔ یہاں تک کہ قائداعظم پاکستان مسٹر محمد علی جناح کو بھی مجلس احرار اسلام سے تعاون لینا پڑا۔ اس کے متعلق رئیس الاحرار لکھتے ہیں:

سب سے بڑا مسئلہ ہم نے ایک اور حل کرایا۔ ۱۹۳۶ء کے الیکشن کے دنوں میں مسلم لیگ کو پنجاب میں الیکشن لڑنے میں بڑی دشواری پیش آ رہی تھی۔ مسٹر جناح نے اس سلسلہ میں پنجاب کا دورہ کیا۔ مسٹر جناح کا خیال تھا کہ سر فضل حسین سے اس معاملے میں مدد لی جائے۔ مگر سر فضل حسین نے مسٹر جناح سے نہ صرف تعاون سے انکار کیا بلکہ ان کو پنجاب سے واپس چلے جانے کے لئے زور دیا۔ مسٹر جناح بڑے مایوس ہوئے۔ شام کو مسٹر جناح ڈاکٹر اقبال سے ملے۔ تحریک کشمیر میں ڈاکٹر اقبال احراریوں کے جوہر دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے مسٹر جناح کو مشورہ دیا کہ اگر سر فضل حسین سے ٹکر لینی ہے تو مجلس احرار کو ساتھ ملا لیں۔ چنانچہ دوسری دن مسٹر جناح سے ملاقات طے ہوئی۔ ان دنوں مسٹر جناح نواب احمد یار دولتانہ کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے گھر ہماری ملاقات طے پائی۔ میرے ساتھ چوہدری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر بھی اس بات چیت میں شریک تھے۔ مسٹر جناح کافی مایوس تھے۔ ہم نے ان کو حوصلہ دیا کہ آپ فکر نہ کریں سر فضل حسین آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سب سے پہلا کام آپ یہ کریں کہ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنائیں اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ عوام سے خطاب کریں۔ مسٹر جناح نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ ہم نے کہا کہ یہ کام ہم پر چھوڑ دیں۔ چنانچہ دوسرے دن دہلی دروازے کے باہر جہاں احرار کا دفتر تھا مسٹر جناح کا خطاب کرایا۔ اس کا سارا بندوبست احرار نے کیا۔ احرار رضا کار سول وردی میں اس جلسہ کے حفاظت کرتے رہے۔ میرا بڑا بیٹا خلیل الرحمٰن اس کا انچارج تھا۔

مسٹر جناح سے ملاقات میں دوسری بات ہم نے یہ کی کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ میں شامل نہ کیا جائے۔ اس پر مسٹر جناح کوئی وعدہ نہیں کرنا چاہتے تھے، میں نے مسٹر جناح سے کہا کہ ہم نے اس کام کے لیے بڑی محنت کی ہے، ہمارے ساتھ لوگوں کا

تعاون اسی شکل میں ہوسکتا ہے جبکہ ہم اس سلسلہ میں اپنی پالیسی واضح کریں۔اس پر مسٹر جناح نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا کہ ''اگر آپ لوگ کثیر تعداد میں مسلم لیگ میں شامل ہوجائیں گے تو قادیانی خود بخود مسلم لیگ سے نکل جائیں گے''۔

رئیس الاحرار کی اس تحریر کی تصدیق ''سہ روزہ الجمعیۃ دہلی'' کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔

''پنجاب کی اسلامی سیاست میں انقلابی دور کا آغاز'' کے عنوان سے لکھا گیا مضمون کچھ یوں ہے:

لاہور ۶ مئی۔ دہلی میں مسلمان رہنماؤں کے اجتماع کے بعد مسٹر جناح لاہور تشریف لے آئے تھے انہوں نے گذشتہ چند روز کے عرصہ میں بڑی توجہ انہماک اور سر گرمی کے ساتھ پنجاب کی اسلامی سیاست کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی سعی کی۔ احرار لیڈروں میں سے چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولوی مظہر علی اظہر سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ مسٹر جناح اور مولانا ظفر علی خان کی ملاقات کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ اس ضمن میں مجھے جو اطلاع ملی ہیں ان کو بہت امید افزا انداز میں پیش کرتا ہوں۔

(۱) مولانا ظفر علی خان اور ان کے رفقاء سیاسی نے یہ رجحان ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اس مرحلہ پر ایک اہم اختلاف کے باوجود احرار سے تعاون کرنے کیلئے تیار ہیں۔ کیونکہ بہر حال احرار کی زندگی کی خدمات کا پایہ ماضی میں بہت بلند رہا ہے اور اب اس اتحاد کے لئے ایک بڑا داعیہ موجود ہے۔

(۲) سیاسی مفکرین کی ایک جماعت جو مسٹر جناح کے بہت قریب رہی ہے یہ خیال کرتی ہے کہ احرار، سیاسی زندگی کی آئندہ منزلوں میں مجلس اتحاد ملت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے ہیں۔

(۳) احرار کے اکثر رہنما ہم آہنگ ہو کر مسٹر جناح سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں اگرچہ قطعی نتائج کچھ عرصہ بعد نکلیں گے۔

(۴) اگرچہ مسٹر جناح قادیانیوں کے مسئلہ میں آزاد نظریہ رکھتے ہیں لیکن مجھے

معلوم ہوا ہے کہ ایک ایسا نظریہ دریافت کرلیا گیا ہے جس سے قادیانی مسلم لیگ سے خود خارج ہو جائیں گے اوار احرار کو کوئی اعتراض نہ رہے گا۔ اس کے علاوہ مسٹر جناح نے احرار کی قدر و وقعت کو محسوس کرتے ہوئے ان کے جملہ مطالبات تسلیم کر لئے ہیں۔

(۵) اب یہ یقینی امر ہے کہ ترقی پسند مسلمانوں کی ایک مضبوط اور منظّم جماعت سر فضلِ حسین اور سر سکندر حیات کی پارٹی کے مقابلہ میں میدان میں آ جائے گی اور مسٹر جناح کُھل کر اس کی رہنمائی کریں گے۔

(۶) مسٹر جناح نے مجھ سے ایک ملاقات میں یہ فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کی آئندہ تنظیم کے سلسلہ میں اپنی قوم سے صرف تین ماہ مانگتا ہوں اگر مجھے عوام کا تعاون حاصل رہا تو میں مسلمانوں کی امیدوں کو ضرور پورا کرسکوں گا۔

ایک سب سے بڑی اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ مسٹر جناح کو ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تائید بھی حاصل ہوگئی ہے اگر چہ سر فضل حسین نے مسٹر جناح کو جواب صاف دے دیا ہے لیکن انہوں نے مرزا بشیر محمود کو اپنی امداد کے لئے بلایا ہے چنانچہ قادیانی جماعت نے مسلمانوں کی تنظیم جدید کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے اور مسٹر جناح پر لفظی حملے کئے جا رہا ہیں لیکن پنجاب کے سیاسی حلقے اس کو سر فضل حسین کی سب سے بڑی غلطی تعبیر کرتے ہیں۔ اس وقت عام رجحان یہ ہے کہ سر فضل حسین کی نا کامی کے امکانات کو ایک یقینی صورت حاصل ہو رہی ہے۔

(سہ روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی ۱۳ مئی ۱۹۳۶ء)

اسی طرح فرزندِ اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

لاہور میں قیام کے دوران محمد علی جناح مجلس اتحاد ملت اور مجلس احرار کے رہنماؤں سے بھی ملے اور وہ بھی تعاون پر رضامند ہو گئے۔

(زندہ رود، جلد ۳، صفحہ ۲۸۴)

''ہندوستان کی دستوری حکومت پر حبیب، جناح ملاقات'' کے عنوان سے کتاب ''رئیس الاحرار'' کے مصنف مولانا عزیز الرحمٰن جامعی مسٹر جناح کی لاہور میں آمد کے عنوان سے لکھتے ہیں:

۱۹۳۶ء میں مسٹر جناح مسلم لیگ کی تنظیم اور الیکشن میں مسلم لیگیوں کو کھڑا کرنے کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے اور غالبا نواب دولتانہ کے یہاں جناح صاحب کا قیام تھا۔ جناح صاحب پبلک جلسہ میں تقریر کرنا چاہتے تھے لیکن پنجاب کے سرکار پرست اور ماڈریٹ طبقے میں جرأت نہ تھی کہ وہ میاں فضل حسین کو ناراض کر کے جناح صاحب کے پبلک جلسے کا انتظام کریں۔ اسی قیام کے دوران میں مسٹر جناح سر فضل حسین سے ملے۔ سر فضل حسین نے مسٹر جناح سے گفتگو کرتے وقت یہ حرکت کی کہ دو انگریز سیکریٹریوں کو پردے کے پیچھے بٹھا دیا۔ یہ دونوں انگریز سیکریٹری مسٹر جناح کی گفتگو نوٹ کرتے رہے۔ مسٹر جناح چاہتے تھے کہ الیکشن کے بارے میں میاں فضل حسین سے گفتگو ہو۔ مگر سر فضل حسین کی گفتگو کا انداز یہ تھا کہ وہ معلوم کرسکیں کہ مسٹر جناح کہاں تک الیکشن میں اور الیکشن کے بعد کانگریس سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ مسٹر جناح غریب کو کیا معلوم تھا کہ یہ گفتگو راز داری سے نوٹ کی جا رہی ہے تاکہ وزیر ہند کو جناح صاحب کے خیالات سے مطلع کیا جائے۔ اس بے خبری میں کانگریس کے ساتھ اپنے اور مسلم لیگ کے اشتراک عمل کے متعلق جناح صاحب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ فضل حسین نے گفتگو کے آخر میں مسٹر جناح سے کہا کہ آپ کانگریس سے مل جائیں یا اور کسی جماعت سے لیکن پنجاب میں مسلم لیگ نہ کامیاب ہوسکتی ہے نہ اس کے ٹکٹ پر یہاں لوگ کھڑے ہوں گے اور مناسب یہی ہے کہ آپ عزت کے ساتھ لاہور سے چلے جائیں اور کسی جلسہ کا یہاں پروگرام نہ بنائیں۔ مسٹر جناح ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بہت مایوس ہوئے اسی دن شام کو انہیں جب ایک سرکاری آدمی نے بتایا کہ فضل حسین کی کوٹھی میں دو انگریز سیکریٹری پردے کے پیچھے آپ کی گفتگو نوٹ کر رہے تھے تو انہیں اس کا بہت رنج ہوا۔

''ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے مکان ۶۷ میکلوڈ روڈ پر حبیب، جناح ملاقات''

مسٹر جناح نے فضل حسین کے سلوک کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ سے ملاقات کی۔ اس گفتگو میں چودھری افضل حق اور ڈاکٹر عبدالقوی لقمان شامل تھے۔ مسٹر جناح نے فضل حسین سے اپنی گفتگو اور فضل حسین کی سازش کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ فضل حسین اس بات پر تُل گئے ہیں کہ میں لاہور میں کسی جلسہ میں تقریر نہ کرسکوں۔ اگر احرار میرا ساتھ دیں تو میں فضل حسین سے ٹکر لے سکتا

ہوں۔اس پر چودھری افضل حق صاحب نے کہا لیکن ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم آپ کے ساتھ میدان عمل میں آ گئے تو ہمیں چھوڑ کر جس طرح شفیع لیگ سے مل گئے تھے اس طرح پھر خان بہادروں سے جا ملیں گے۔رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے مسٹر جناح سے کہا کہ آپ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنائیے۔جب تک آپ اسے عوامی جماعت نہیں بنائیں گے اس وقت تک آپ ٹوڈی مسلمانوں کے حلقہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔اور انگریز جب چاہتا ہے اپنے مفاد کے لئے ٹوڈی مسلمانوں کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے آپ سے جدا کر دیتا ہے۔جس کی یہ تازہ مثال آپ کے سامنے ہے۔گفتگو بڑی طویل تھی جناح صاحب بہت مایوس تھے۔لیکن رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے انہیں حوصلہ دیا کہ آپ کی تقریر لاہور میں ہونی چاہئے۔احرار رضا کار آپ کے جلسے کی حفاظت کریں گے۔مسٹر جناح اس بات پر بڑے خوش ہوئے اور طے ہو گیا کہ کل مسٹر جناح کی تقریر لاہور میں ہو گی۔دوسرے دن مسٹر جناح کی تقریر ہوئی۔احرار رضا کار سفید وردیوں میں جلسے میں تھے۔جناح صاحب نے کامیابی سے تقریر کی۔سر فضل حسین کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ جلسہ احرار کی طاقت پر ہو رہا ہے۔اس دن سے فضل حسین اور احرار رہنماؤں میں جنگ شروع ہو گئی۔احرار کو مسٹر جناح کی حمایت کرنے کی سزا میاں فضل حسین نے مسجد شہید گنج کو گرا کر دی۔(رئیس الاحرار،صفحہ ۱۹۳)

اس پر ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

اتحاد ملت اور مجلس احرار کے لیڈروں نے بھی مسٹر جناح سے ملاقات کی۔احرار مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہونے کو تیار تھے۔لیکن شرط یہ تھی کہ اول تو کسی قادیانی کو لیگ میں شامل نہ کیا جائے۔دوم مسلم لیگ کا نصب العین درجہ مستعمرات کے بجائے مکمل آزادی ہونا چاہئے۔

نصب العین کی تبدیلی کے بارے میں مسٹر جناح نے جواب دیا کہ اس کا فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ہو گا۔قادیانیوں کی شرکت یا عدم شرکت کے متعلق انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا۔تاہم مجلس احرار اور اتحاد ملت کے رہنماؤں نے پارلیمنٹری بورڈ میں شامل ہونے کی رضامندی کا اظہار کر دیا۔(اقبال کے آخری دو سال،صفحہ ۲۹۶)   (جاری ہے)

فرمودات

شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ

☆...... کیا یہی ترقی ہے؟

فرمایا۔کیا یہی ترقی ہے جو انگریز نے مسلمانوں کو سکھائی ہے مثلاً پہلے صبح کا ناشتہ باسی روٹی اور مکھن او رلسی کا کرتے تھے۔اب ناشتہ ٹوس، چائے اور مکھن جو چھری سے ٹوسوں پر لگایا جائے اس میں انسانیت کو کونسی ترقی نصیب ہوئی ہے بلکہ تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔صبح سویرے اٹھ کر پہلے چاہیے پکانے اور پینے کے برتن دھویئے پھر آگ جلایئے پانی پکا کر چائے کی پتی ڈالیے پھر اُسے دم کیجیے۔پھر دودھ گرم کیجیے پھر اسے شیر دانی میں الگ ڈالیے۔پھر شکر دانی میں شکر الگ ڈال کر رکھیے۔پھر ڈبل روتی لایئے یا منگوایئے۔پھر اُس کے ٹکڑے کیجیے۔پھر انہیں آگ پر گرم کیجیے پھر چھری سے ان پر مکھن لگایئے یہ ترقی یافتہ لوگوں کا ناشتہ ہے۔اس ترقی یافتہ ناشتہ کا اندازہ لگایئے محنت کتنی کرنی پڑتی ہے؟ وقت کتنا صرف ہوا؟ روپیہ کتنا صرف ہوا؟ پھر ان سارے تکلفات کا نتیجہ کیا نکلا؟ سب عقلمندوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ باسی روٹی اور مکھن کھانے سے نوجوانوں میں طاقت آتی ہے کہ برے قوی ہیکل، تنومند، لمبے قد اور چوڑی چھاتی والے نوجوان پیدا ہوتے تھے۔اب وہ طاقت چائے اور ٹوس سے ہرگز پیدا نہیں ہوتی۔اب تو بقول حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ آج کل کے نوجوان کوہِ قاف کی پریاں ہیں۔کمر پہ تلی نازک اندام۔ہونٹوں پر پان کی سرخی منہ میں پتلا سا سگریٹ اور ہاتھ میں پتلی سی چھڑی ہائے افسوس صد افسوس عاقبت نا اندیش لوگ اور عقل کے اندھے اس کو ترقی کہتے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆......فرمایا۔پرانے زمانے میں ہماری بہنیں اور بیٹیاں محلوں میں جو استانیاں ہوتی تھیں ان سے دین کی کتابیں پڑھتی تھیں اور انہی سے نماز روزہ سیکھ لیتی تھیں۔عام طور پاس وقت کا نصابِ تعلیم پکی روٹی نجات المؤمنین اور احوال الآخرۃ ہوتا تھا۔اتنی ہی تعلیم پانے کے بعد وہ ایک باحیا، باادب اور سلیقہ شعار ماں باپ کی خدمت گزار اور بھائی بہنوں کی مونس و غم خوار ہو جاتی تھیں۔پکی روٹی پڑھنے کے باعث

ان کے اسلامی عقائد درست ہو جاتے تھے اور احوال الاخرۃ پڑھنے کے باعث ان کے دل میں خوفِ خدا اور قیامت کا ڈر پیدا ہو جاتا تھا۔ غرضیکہ ان مستورات کے عقائد درست ہوتے تھے۔ خدا تعالیٰ سے ڈرتی تھیں۔ نماز روزے کی پابند ہو جاتی تھیں پاکستان تو اب بنا ہے اس وقت تک تو تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی وہی نسل ہے جو انگریز تیار کر گیا۔ کیا انگریز نے پرائمری سے لے کر ایم اے تک کہیں خوفِ خدا کی تعلیم دی تھی؟ کہ تم پر خدا تعالیٰ کیلئے بندگی کا حق ہے یا تم پر ماں باپ کا یہ حق ہے اور اس کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے اور تم پر بہن بھائیوں کے یہ حقوق ہیں اور تم پر خاوند کے یہ حقوق ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

☆……فرمایا۔ علمائے کرام کے بعد اسلامِ محمدیؐ کی دوسری محافظ جماعت صوفیائے عظام کی ہے۔ علمائے کرام تو قرآنِ مجید اور حدیث شریف کا مطلب سمجھاتے ہیں مگر باوجود سمجھ جانے کے پھر بھی عملی کمزوریاں سمجھنے والوں میں باقی رہتی ہیں۔ ان عملی کمزوریوں کی اصلاح صوفیائے عظام کی صحبت میں بیٹھنے سے ہوتی ہے بشرطیکہ ان کے حضور میں عقیدت سے بیٹھے۔ ادب کرے اور جو فرمائیں اس پر پورے طور سے عمل کرے۔ ایک تو رنگ ہے دوسرا رنگ فروش ہے تیسرا رنگ ساز ہے۔ رنگ فروش سے رنگ لاتے ہیں اور پگڑی پر رنگ ساز سے رنگ چڑھواتے ہیں۔ بالکل اسی طرح دین کا نقشہ ہے۔ قرآن مجید ایک عجیب رنگ ہے جو لوحِ محفوظ سے آیا ہے جو اس رنگ سے رنگا جائے گا اس کی دنیا کی زندگی بھی خوشگوار اور آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔ بہرحال قرآن مجید ایک رنگ ہے اور رنگ فروش علمائے کرام ہیں ان کی صحبت سے یہ رنگ ملتا ہے اور رنگ ساز صوفیائے عظام ہیں۔ ان کے حضور میں مدتِ مدید تک رہنے سے قرآن مجید کا رنگ ایک نیک نیت خدا کی رضا کے طالب انسان پر چڑھ جاتا ہے۔

☆……فرمایا۔ حجاب سوءِ معرفت یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی معاملہ میں صحیح علم ہی نہ پہنچا ہو۔ مثلاً کسی شخص نے لوگوں کو یہ ترغیب دی کہ بزرگوں کو ثواب پہنچانے اور ان کی روح کو خوش کرنے کیلئے عرس کرنا چاہیے اور اس کی صورت یہ ہو کہ ان کی وفات کے دن اکیلے یا چندہ جمع کر کے دال میں گوشت ڈال کر ایک دیگ پکائی جائے اور قوّالوں کو بلا کر طبلے بجوائے جائیں اور طبلوں کی تھاپ کے ساتھ ساتھ نعتیہ اشعار پڑھے جائیں اور اس کے پیچھے بیٹھ کر ہارمونیم بجانے والا ہارمونیم بجائے۔ قوّال بھی یہ سمجھ رہے

ہوں گے کہ حضرتؒ کی روح بڑی خوش ہورہی ہے اور گانے والے یہ خیال کر رہے ہیں کہ "حضرت" کی روح گانا سن کر بڑی خوش ہورہی ہے اور لوگ بھی اس نظارہ کو دیکھنے کیلئے جوق در جوق قریب کیا بلکہ دور دور سے آرہے ہیں کہ حضرتؒ کے عُرس میں شامل ہوکر ثواب حاصل کریں حالانکہ یہ سارا معاملہ ہی غلط اور خلافِ شرع ہے۔

برادرانِ اسلام! اصلی سچا اور کھرا دین وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا کر کے دکھایا ہو۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے بزرگانِ دین کی روح کو خوش کرنے کیلئے یہ طریقہ سکھایا ہے؟ یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ طریقہ کر کے دکھایا، یا ائمہ عظام یا حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہؒ یا امام ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ نے بزرگانِ دین کے اس طرح پر عرس کر کے دکھائے یا کرنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ اگرچہ یہ چیزیں مسلم التعظیم بزرگوں سے نقل ہوکر نہیں آئیں تو پھر بتلایئے کہ ان چیزوں کو اسلام خیال کر کے کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ جن چیزوں کی تفصیل اوپر عرض کر چکا ہوں یہ سب رسول اللہ ﷺ کے اسلام سے ثابت نہیں ہیں اور کرنے والے انہیں اسلام ہی سمجھ کر کرتے ہیں اور جو رو کے اس سے لڑتے جھگڑتے اور مار پیٹ تک تیار ہو جاتے ہیں۔ اس غلط طریقہ کے اختیار کرنے میں عوام کا کوئی قصور نہیں ہے اصلی قصور فقط انہی لوگوں کا ہے جنہوں نے عالمِ دین کہلا کر انہیں دین کا مفہوم غلط بتایا۔ اسی کو حجابِ سوءِ معرفت کہتے ہیں کہ علم ہی غلط ثابت ہوا۔

☆......فرمایا۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

ایک شخص براتیوں سے کہتا ہے مولوی صاحب کہا کرتے ہیں کہ دولہا کے سر پر سہرا باندھنا ہندوانہ رسم ہے اور اسراف ہے جو کہ گناہ ہے۔ دوسرا کہتا ہے (پنجابی میں) "اوئے جھلّیا ایہہ مولویاں دیاں گلّاں نیں اَسی کوئی مولوی آں۔" یہ کہنا شریعت کو جھٹلانا ہے شریعت کی پابندی جس طرح علماء کیلئے لازم ہے ویسی ہی عام لوگوں کیلئے بھی لازم ہے۔

☆......فرمایا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ ہم نے ہر چیز کی دو قسمیں پیدا کی ہیں۔ ہر اصلی کے مقابلہ میں نقلی چیز پائی جاتی ہے۔ ہر کھری کے مقابلہ میں کھوٹی چیز دنیا میں موجود ہے اس لیے اصلاح کی گدی پر جلوہ افروز ہونے والوں میں بعض کھرے ہوتے ہیں اور بعض کھوٹے۔ لہٰذا کھرے مصلح کی پہچان ضروری ہے۔ صحیح مصلح کی پہچان یہ ہے۔ (ا) اگر وہ قرآنِ مجید اور رسول اللہ ﷺ کی

سنت کا پورا عالم نہ ہوتو کم از کم بقدرِ ضرورت دین کی اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہو، اسے توحید اور شرک میں تمیز ہو۔ سنت اور بدعت میں تمیز ہو۔ اصلی دین محمدیؐ جو دربارِ نبویؐ سے چلا تھا اور جو بعد میں ملاوٹ ہوئی ہے اس میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (۲) خود اس اصلی دین کا پابند ہو خصوصاً ارکانِ خمسہ اسلام کا پابند ہو۔ (۳) اس کی صحبت میں جانے سے طبیعت کا رجحان یادالٰہی کی طرف ہوتا نظر آئے اور وہ اپنی صحبت میں اپنے عیبوں کو دیکھنے اور اُن کی اصلاح کی طرف توجہ دلائے۔ (۴) مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بددیانتی نہ کرنے پائے (۵) طلبِ زر کا حریص نظر نہ آئے (۶) لوگوں پر اپنی حاجتوں کا اظہار نہ کرنے پائے۔ (۷) اللہ تعالیٰ جو اسے رزق عطا فرمائے اس پر قناعت کرنے والا ہو۔ ان صفات سے متصف ہونے والے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ایسے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صحبت انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنا دیتی ہے بشرطیکہ ان کی صحبت میں رہنے کی شرائط ہیں انہیں پورے طور پر نبھائے اور وہ تین شرطیں یہ ہیں: (۱) عقیدت (۲) ادب اور (۳) اطاعت۔ جب پہلے شیخ کامل کی صفات کے آئینہ میں اپنے شیخ کو پرکھ کر اس کے ساتھ اپنی اصلاح کا تعلق قائم کیا ہے اب اس کے متعلق اپنے خیالات کو مضبوط رکھے اپنے ذرا ذرا سے وساوس سے اپنے عقیدے کو مجروح نہ کرے، اس کے بعد شیخ کے ادب میں فرق نہ آئے اس میں اس کے حکم کی پوری تعمیل کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طریقہ پر شیخ کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ شیخ کامل کے کمالات کا عکس اس طالب کے قلب پر پڑتا ہے اور اس کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ شیخ کامل کی صحبت میں جا کر بھی اپنی جہالت کی بنا پر ان کے رویہ پر اعتراض کرتا رہے تو پھر یہ صورت بن جاتی ہے۔

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضراز آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

الحمدللہ جو چیزیں میں لکھ رہا ہوں یہ سب میرے مشاہدہ میں آئی ہوئی ہیں۔

☆......فرمایا۔ مسلمان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہیں قوم عاد کی سی غلطی میں تو مبتلا نہیں ہیں۔ برادرانِ اسلام! اولیائے کرام کا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے طریقہ پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ جس طرح اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، جاگنا سونا کسی سے دوستی یا دشمنی رکھنا سب اللہ تعالیٰ کی رضا

کے ماتحت اوراس کے نازل کردہ ضابطہ آسمانی کے ماتحت ہوتا تھااسی طرح ہمیں بھی ان کےنقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔اولیائے کرام نے یہ تونہیں سکھایا تھا کہ ہماری قبروں پرآ کرسجدے کرنا،منتیں ماننا چڑھاوے چڑھانااور ہماری قبروں پر ریشمی غلاف چڑھانا،عرس کرنا،طبلی بجانا۔ بازاری عورتوں کو عرس کے موقعہ پرسلام کیلیئے بلانااورہمیں ان کے گانے سنانااور جب وہ بازاری عورت گانا گائے تواس کے پیچھے ہارمونیم والے کوبٹھا دینا۔ وہ ہارمونیم بجائے اور بازاری عورت گانا گائے تب ہم بڑے ہی خوش ہوں گے۔نعوذ باللہ من ذلک۔

اکثر جمعہ کی تقریر کی ابتداء میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ جو کچھ میں عرض کروں گا اگر سننے والا گوشِ ہوش سے سنے اورلوحِ دل پراُس کولکھ کرلے جائے اسے عمل میں لائے اور لحد قبر تک نبھائے انشاءاللہ تعالیٰ اُس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کافضل شامل ہوگا اورقبر بہشت کا باغ بن جائے گی اور قیامت کے دن دربارِنبوی میں شرفِ باریابی حاصل ہوگا۔انشاءاللہ تعالیٰ حوض کوثر سے پانی پلایا جائے گا۔ پچاس ہزار سال کا دن چار رکعت فرض کی دیر میں گذر جائے گا۔جہنم سے بچالیا جائے اور بہشت کاٹکٹ مل جائے گا۔

☆......فرمایا۔سیاسی مقدمات میں انگریز پہلے ہی سے یہ فیصلہ کرلیتا تھا کہ اس مقدمہ کے ملزم کو یہ سزا دینی ہےاس کے بعد مقدمہ چلاتا تھا تا کہ ملزم کی تسلی ہوجائے کہ میرا فیصلہ عدالت سے انصاف پرمبنی ہوگا۔ادھر مجسٹریٹ کوہدایت ہوتی تھی کہ مقدمہ چلاؤ مگر فیصلہ وہ کرنا ہے جوحکومت پہلے کرچکی ہے۔مثلاً تحریک کشمیر میں میرے خلاف سرکاری گواہ آکر مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیتا ہے کہ تقریباً اڑھائی مہینے ہوئے کہ میں نے چوک وزیرخاں میں احمد علی کی ایک تقریر سُنی تھی جوحکومت برطانیہ کے خلاف سخت تقریر کرر ہا تھا۔ یہ مقدمہ بورسٹل جیل کے اندر چل رہا تھا۔مَیں نے مجسٹریٹ سے کہا کہ یہ گواہ دوغلط بیانیاں کرر ہا ہے۔پہلی یہ کہ میں نے عمر بھرکبھی بھی وزیرخاں کے چوک میں تقریر نہیں کی دوسرا یہ کہتا ہے کہ اڑھائی مہینے ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی تقریر سنی تھی حالانکہ مجھے تقریباً تین ماہ بورسٹل جیل میں آئے ہوئے ہوگئے۔باوجوداس غلط بیانی کے مجھے سزادی گئی اوراولڈ جیل ملتان بھیج دیا گیا۔

☆......مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جوسرے سے قرآن مجید پرعمل کرنے کی مخالف ہے۔ان کا یہ مقولہ ہے کہ ہم ملاّ ازم قائم نہیں ہونے دیں گے۔مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ملاّ کے پاس

کمیونزم ہے یا سوشلزم ہے ملاّ کے پاس قرآن مجید ہی تو ہے یا اس کی شرح حدیث نبی کریم ﷺ ہی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ملاّ ازم قائم نہیں ہونے دیں گے، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث نبی کریم ﷺ کو ملک میں نافذ نہیں ہونے دیں۔ مسلمانوں میں ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ قرآن مجید کو نافذ کریں گے، لیکن اس کا مفہوم اور مطلب وہ نہیں لیں گے جو ساڑھے تیرہ سو سال سے اسلام کے فدائی اور جان نثار مفسرین اور محدثین رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے لے کر آج تک سنتے اور سناتے پڑھتے اور پڑھاتے آئے ہیں۔ ایک تیسرا گروہ ہے جو اقلیت میں ہے وہ چاہتا ہے کہ اسلام کا وہ نقشہ جو رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں تھا عملی طور پر بھی وہی رائج ہو اور عملی طور پر بھی اُسی رنگ کی پیروی کی جائے تاکہ جو برکتیں اس زمانہ میں مسلمانوں کو نصیب ہوئی تھیں وہ آج پھر مسلمانوں کو نصیب ہوں اور جو خدا تعالیٰ کی رحمتیں اس وقت کے مسلمانوں پر نازل ہوئی تھیں آج پھر نازل ہوں لیکن ان کی اقلیت کے باعث ان کی آواز کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔

☆......مَیں درسِ قرآن اور بعض اوقات جمعہ کے خطبہ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ایک شخص کی دنیاوی زندگی کا یہ ٹھاٹھ ہو کہ اڑھائی لاکھ روپے کا بنگلہ تعمیر شدہ ہو جس میں اس شخص کا قیام ہو پچاس ہزار کی گاڑی ہو اور گھر میں بیگم صاحبہ بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی دے رکھی ہو۔ بنگلے کے آگے چمن ہو جس میں مالی کام کر رہا ہو میاں صاحب کے گھر مستقل دھوبی ہو خانسامے اور بیرے خدمت گذاری کیلئے ہر وقت دست بستہ حاضر رہتے ہوں اور اس گھر میں دین کا نام ونشان نہ ہو۔

گھر میں نہ کوئی نماز پڑھتا ہو نہ کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے نہ کسی کو صحیح کلمہ ہی آتا ہے غرضیکہ دین اسلام کی کوئی علامت اس گھر میں نہیں ہے۔ میں اپنے اللہ کے فرمان کے مطابق قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر تمہاری بیوی بیگم صاحبہ کی سہیلی بن جائے اور میاں صاحب تمہارے مخلص یار بن جائیں پھر اس گھر کے پوشیدہ حال تمہیں معلوم ہوں۔ اس کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان لوگوں کی زندگی کتنی تلخ گزر رہی ہے، ناسُور کے مریض کی طرح بظاہر بدن پر کوئی زخم نہیں ہے اور کپڑے بھی صاف ستھرے اور قیمتی ہیں مگر ناسور والا زخم اندر ہی اندر جان کو کھا رہا ہے مریض کو نہ دن میں چین ہے نہ رات کو۔

مَیں کسی کی ذات کا مخالف نہیں ہوں البتہ مخالفِ شریعت کے کردار کا مخالف ہوں۔ کھری باتیں اس لیے کہتا ہوں کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو گے کہ اے اللہ! ہم عالم نہیں تھے اور تیرے کسی بندے نے ہمیں تیرا پیغام نہیں پہنچایا تھا۔ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

☆......الحمدللہ ثم الحمدللہ یہ گنہگار اور عاجز (احمد علی) اپنے دوستوں کی مجالس میں علی الاعلان یہ عرض کیا کرتا ہے کہ حضرات اولیاء کرام کے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے اور ان کے متعلق دل میں اتنا ادب ہے۔ میرے یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ

"اولیاء کرام کے جوتوں کی خاک میں سے وہ موتی ملتے ہیں جو دنیا کے بادشاہوں کے تاجوں میں بھی نہیں ہوتے"۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن کو یہ موتی نصیب ہوتے ہیں وہ اِن موتیوں کی کو قبر میں بھی ساتھ لے جائیں گے اور ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس شخص کی قبر کو بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دیں گے اور وہ خوش نصیب ان موتیوں کو لے کر قبر سے اٹھ کر میدانِ محشر میں حاضر ہوگا۔



خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

زیب وزینت کے شرعی احکام

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔اس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مکمل ہدایات موجود ہیں۔اسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلام نے ہر معاملے میں اس پہلو کو اپنانے کا حکم دیا ہے جو حد اعتدال میں ہو۔اسلامی ضابطۂ حیات میں حد اعتدال سے کمی کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور نہ ہی حدِ اعتدال سے بڑھنے کو قابل ستائش سمجھا جاتا ہے۔

زیب وزینت، حسن و جمال زندگی کا اہم پہلو ہے۔اسلام نے اس کے متعلق بھی ایسی جامع ہدایات دیں جو نہ حد اعتدال سے بڑھی ہوئی ہیں اور نہ ہی اس سے کم ہیں۔مثلاً نبی اکرم ﷺ نے جہاں اس بات کی ترغیب دی کہ حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا اظہار ایک مطلوب عمل ہے،لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے مال ودولت عطا کی ہے تو اسے اپنے لباس کی عمدگی سے ظاہر کیا جائے،وہیں یہ بھی بتایا کہ باوجود قدرت واختیار کے ترک زیب وزینت پر آخرت میں بڑا رتبہ عطا ہوگا۔

بالوں کو سلیقے سے رکھنے کا حکم دیا تو روزانہ کنگھی کرنے سے منع بھی فرمایا۔جوتا پہننے کی ترغیب دی تو ساتھ ہی کبھی ننگے پاؤں چلنے کا بھی حکم دیا۔عورتوں کیلئے ریشم کو حلال قرار دیا تو اپنے اہلِ بیت کو یہ ترکیب بھی دی کہ ایسے کپڑے پہنیں جن میں پیوند لگے ہوں۔خود کبھی طیلسانی جبہ اور نقشی چادر استعمال فرمائی تو یہ بھی فرمایا:''سادگی حسنِ ایمان کی علامت ہے۔''

غرضیکہ نہ تو بے ڈھنگے لباس، پراگندہ بالوں کو پسند کیا اور نہ ہی آرائش وآسائش میں مبالغے کی تعریف کی، بلکہ سادگی وصفائی کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

یوں تو زیب وزینت،، حسن وجمال کا خوگر ہر کوئی ہے لیکن عورتیں اپنی خاص طبیعت کی وجہ سے اس میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لیتی ہیں۔گویا کی زیب وزینت ان کی فطرت میں داخل ہے۔شریعت مطہرہ نے

بھی ان کی خواہشات کا لحاظ کرتے ہوئے عورتوں کیلئے احکام کو قدرے نرم رکھا اور انہیں کئی ایسی چیزیں استعمال کرنے کی اجازت دی جنہیں مردوں کیلئے حرام قرار دیا۔

اگرچہ شریعت مطہرہ نے عورتوں کیلئے زیب وزینت کے باب میں قدرے گنجائش ونرمی اختیار کی لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں پابند کیا کہ ایسا کوئی قدم ہرگز نہ اٹھائیں جس سے فتنے کو تقویت ملے اور بے حیائی وفحاشی کا دروازہ کھل جائے۔

اس سلسلے میں شریعت نے عورتوں کو پابند کیا کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے زیب وزینت کا اظہار نہ کریں۔

زیب وزینت، بناؤ سنگھار کے اظہار کی اجازت صرف شوہر اور محارم کے سامنے ہے، ان میں شوہر اصل ہے کیونکہ عادۃً عورتیں چنداں اس بات کی خواہاں نہیں ہوتیں کہ اپنے والد، بھائی وغیرہ کے سامنے اظہارِ زینت کریں، بلکہ دیندار وشریف گھرانوں میں اسے نہایت ہی معیوب سمجھا جاتا ہے کہ بیٹی یا بہن، والدہ بھائی کے سامنے بن ٹھن کر رہے۔

جب اصل مقصد شوہر کو خوش وراضی کرنا ہے تو شوہر کیلئے زیب وزینت کرنا یہ ہے کہ گھر میں ہی زیب وزینت کی جائے، نہ کہ باہر نکلتے وقت۔ گھر میں سادہ لباس اور عام حالت میں رہنا اور باہر نکلتے وقت خوب اہتمام کرنا شرعاً کسی صورت جائز نہیں۔ یہ زیب وزینت شوہر کیلئے نہیں بلکہ اجانب وغیرہ محارم کیلئے ہے۔

علامہ ابن حاج مالکیؒ فرماتے ہیں:

ہمارے زمانے میں عورتوں نے احکام شرع کی پاسداری تو کجا مخالفت کی ٹھانی ہے، چنانچہ گھروں میں اپنی عادت کے مطابق میلے لباس، پراگندہ بالوں اور پسینے میں شرابور رہتی ہیں، اگر کوئی اجنبی بھی انہیں دیکھے تو نفرت وناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گا تو شوہر کا دل کس طرح ان کے ساتھ رہنا گوارا کرے گا؟

لیکن جب یہی عورتیں باہر نکلنے کا ارادہ کرتی ہیں تو عمدہ سے عمدہ لباس وزیورات سے مزین ہو کر راستے کے درمیان یوں چلتی ہیں جیسے کوئی نئی نویلی دلہن ہو۔ یہ سب سنت سے غفلت واعراض اور سلف صالحین کے طریقے کی خلاف ورزی ہے۔

زیب وزینت کے باب میں ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ایسا انداز اختیار نہ کریں جس سے تشبہ بالرجال یا تشبہ بالفاسقات مترشح ہو۔اور نہ ہی یہ سمجھیں کہ شریعت کی مباح کردہ ہر صورت پر بیک وقت عمل کرنا لازم ہے، لہٰذا زیب وزینت کے سلسلے میں تمام جائز صورتوں پر بیک وقت عمل کیا جائے۔ اگرچہ فی نفسہ وہ تمام صورتیں جائز ہیں لیکن ان میں مبالغے سے کام لینا جائز نہیں۔

موجودہ معاشرے میں کنواری اور بے شوہر عورتوں کیلئے صفائی وسادگی، زیب وزینت سے بدرجہا بہتر ہے۔

شادی شدہ عورتوں کیلئے بھی مناسب ہے کہ شوہر کی پسند اور ناپسند کا لحاظ کرتے ہوئے صرف ان چیزیوں کو اختیار کریں جو از روئے شرع جائز ہوں۔ بازاری اور فاسق عورتوں کی دیکھا دیکھی کسی ایسی چیز کو اختیار نہ کریں جسے وہ پہلے استعمال نہیں کرتی تھیں۔

اگر صفائی وسادگی اور حسن حقیقی پر اکتفاء کرتے ہوئے باطنی حسن کو اپنے کردار وافعال سے اجاگر کریں تو یہ مصنوعی وبناوٹی حسن سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ اصل حسن وجمال اخلاق وکردار کا حسن ہے۔

لیس الجمال لوجہ صح مارنہ

أنف العزیز یقطع العز یجدع

ترجمہ: حسن وجمال ہی صرف خوبصورت چہرے کا نام نہیں بلکہ عزت وشرافت کا بھی حسن وجمال میں دخل ہے۔ کیونکہ باوجود خوبصورتی کے شرافت پر دھبہ لگے تو سارا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔

”زیب وزینت کے معاملے میں عام طور سے مغرب سے مستعار فیشنوں اور عادات کو اختیار کیا جاتا ہے جو تشبہ میں داخل ہے اور تشبہ کی حرمت احادیث سے ثابت ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے مجھے زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ کفار کے کپڑے ہیں انہیں مت پہنو۔“

ان کے علاوہ بے شمار احادیث میں تشبہ کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

سخاوت

حضرت سعدیؒ یہ فرماتے ہیں کہ میرے چند دوست ایسے تھے جن کا ظاہر اور باطن ایک تھا۔ ان میں ذرا بھی تصنع نہ تھا۔ چنانچہ ان کی اس خوبی کی وجہ سے ایک نیک دل رئیس شہر نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور وہ عزت و آرام کی زندگی گزارنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد قسمت کی خرابی سے ان میں سے ایک کوئی ایسی حرکت کر بیٹھا کہ رئیس شہر نے ان سے بدگمان ہو کر ان سب کے وظیفے بند کر دیئے۔

مجھے یہ خبر ملی تو میں نے یہ محسوس کیا کہ رئیس شہر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دوستوں کی صفائی پیش کرتے ہوئے ان کی بدگمانی کو دور کروں۔ اور میں نے ایسا ہی کیا اور رئیس شہر کے در دولت پر پہنچ گیا۔ لیکن دربان نے اندر نہ جانے دیا۔ اور یہ کوئی خلاف معمول بات نہ تھی۔ بندے کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اچھی نہ ہو تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں میرے جاننے والے ایک صاحب آ گئے جو رئیس شہر کے مقرب بھی تھے۔ بڑی عزت و احترام سے مجھے ساتھ لے گئے رئیس شہر نے دیکھا تو بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ عزت کی جگہ بیٹھنے کو دی۔ میں شکریہ ادا کرتے ہوئے معمولی آدمیوں کی صف میں بیٹھ گیا۔ کہا:

بندہ ادنیٰ ہوں اے صاحب مرے
امر ہوں تو بیٹھوں بندوں میں ترے

القصہ بیٹھ کر ہر مجلس و مقام سے مذکور کرنے لگا۔ یہاں تک کہ یاروں کی ذلت کی باتیں بھی درمیان میں آئیں۔ رئیس شہر نے جو یہ باتیں سنیں تو نہایت پسند کیں۔ اور میرے دوستوں کا وظیفہ پھر سے جاری کر دیا۔ بلکہ پچھلے دنوں کا وظیفہ ان کو نہیں ملا تھا وہ بھی ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اپنی گستاخی و جسارت کی معذرت کی۔

تلقین:۔

حضرت سعدیؒ نے اس حکایت میں صاحب ثروت لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ ان حاجت مندوں کی امداد فرض ہے۔

سنت رسول اللہ ﷺ ان کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں اور گناہگاروں کی بھی روزی بند نہیں کرتا۔

دینی، علمی، اصلاحی اور تاریخی روایات کا حامل پاکستان کا منفرد مجلّہ

ماہنامہ

عِلِّیَّہ

فیصل آباد پاکستان

کے تابندہ 10 سال

120 شمارے

تاریخی حقائق



آپ بھی اپنی رائے دیجیے!

آپ کی تجاویز، شکایات، اور سوالات کو
انشاءاللہ شامل اشاعت کیا جائے گا

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16
MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213